KitabPk.Com

اس کے ایک روز آ جانے سے

عنیزہ سید

KitabPk.Com

دو گھنٹے تک دنیا کی ہر موضوع پر گفتگو کرنے اور سینڈوچز اور سیلڈز کی ایک اچھی ورائٹی سے لطف اندوز ہونے کے بعد وہ شازیہ کے ساتھ ایک خوشگوار موڈ میں 'سب وے' سے باہر نکلی تھی۔ باہر چمکتی دھوپ تھی اور آنکھوں کو چندھیائے دے رہی تھی۔ ایم ایم عالم روڈ پر چہل پہل اور زندگی اپنے عروج پر تھی۔ گاڑیوں کی لمبی قطاریں' ایک کے بعد ایک۔ روڈ کراس کرنا مشکل تھا۔ آتے ہوئے بھی انہیں گاڑی پارک کرنے کی جگہ مشکل سے ملی تھی اور 'سب وے' سے خاصی دور۔

"لیویز کے پاس کھڑی کی تھی نا گاڑی؟"

"جنید جمشید" کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے شازیہ سے کنفرم کیا۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے اثباب میں سرہلا رہی تھی۔ شازیہ کو گرمی ضرورت سے زیادہ ہی لگتی تھی۔ وہ دو منٹ میں ہی پسینے میں شرابور ہو گئی تھی۔

"ٹھہرو' مجھے آگے جانے دو' تمہارا کیا ہے کسی اور گاڑی کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگ جاؤ' پہلے بھی ایک بار ایسا کر چکی ہو۔"

گاڑیوں کی ایک لمبی قطار اور ادھر ادھر جاتے لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے اس نے بلند آواز میں شازیہ کو مخاطب کیا اور آگے بڑھی مگر آگے بڑھتے ہی اپنے سامنے کا منظر دیکھ کر جیسے اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ قطاروں میں چلتی گاڑیاں جیسے ایک دم رک گئیں۔

ناولٹ

لوگ، آوازیں، شور سب ختم ہو گیا اور ایک جامد سکوت فضا پر چھا گیا۔ بس متحرک رہ گئی تو۔ وہ تین ہستیاں جو "جامن جاوا" سے باہر نکل رہی تھیں اور ہنستی مسکراتی دوسری سمت پارک کی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ پھر وہ تینوں ایک جانی پہچانی گاڑی میں بیٹھ کر کسی مانوس منزل کی طرف گامزن ہو گئیں اور اس گاڑی کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی ٹریفک رواں ہو گئی۔ ساکت گاڑیاں متحرک ہو گئیں، لوگوں کے رکے قدم چلنے لگے، فضا میں منجمد ہوئی آوازیں اور شور پھر سے گونجنے لگا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ بھی جیسے حال میں واپس آ گئی۔

"افوہ، مارینہ! تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا، تم کیوں یہاں ہی رک گئیں، میں گاڑی تک جا کر واپس آئی ہوں۔ یونو، گرمی کے مارے مجھے چکر آنے لگے ہیں۔ اور تم، تم یہاں کیوں رک گئیں، تمہیں تو مجھے گائیڈ کرنا تھا گاڑی کی طرف۔" شازیہ کی جھلائی ہوئی آواز اس کے کانوں میں آئی۔

اس کے چہرے سے پسینے کے قطرے ٹپک رہے تھے اور اس نے ہاتھ میں ٹشو پیپرز کا ایک ڈھیر پکڑا ہوا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" وہ چونکتے ہوئے بولی "چلو بس چلتے ہیں۔" وہ مرے مرے قدموں سے چلتی شازیہ کے پیچھے آنے لگی۔

"مارینہ! سب ٹھیک ہے نا؟" گاڑی میں بیٹھنے، اس کے رفتار پکڑنے اور اے سی کی کولنگ پھیلنے کے بعد اطمینان کا سانس لیتی شازیہ نے سامنے دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"مجھے امید ہے کہ سب ٹھیک ہے۔" پھر اس نے جیسے خود کو تسلی دینے کی خاطر خود ہی جواب دیا گویا وہ جانتی تھی کہ کچھ ایسا تھا جو ٹھیک نہیں تھا۔

"ہوں!" اس نے بھی ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے مختصر جواب دیا۔ اس کے لہجے سے ہی شازیہ کو یقیناً" اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ فی الوقت بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ باقی کا سفر اسی خاموشی میں گزرا۔ اور مختلف راستوں اور موڑوں سے گزرتی ہوئی گاڑی اس ملٹی اسٹوری ٹاور کے مین گیٹ سے اندر داخل ہو کر پارکنگ میں جا کر رک گئی۔ اور تقریباً" سات منٹ کے بعد وہ اپنے اپارٹمنٹ میں پہنچ چکی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اس نے خالی کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ سب کچھ اپنی جگہ پر تھا، ویسا ہی جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ اس کا بیڈ، بیڈ پر بچھی لینن، اوڑھنے کی چادر، بیڈ روم چیرز، سیٹی، پردے، کشن، وارڈ روب، فرش پر بچھی رگ، بیڈ سائیڈ ٹیبلز، گھومتی نظریں بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھے فوٹو فریم پر جا رکیں۔ اس فوٹو فریم میں اس کی تصویر جڑی تھی۔ مگر اسے لگا جیسے اس فریم سے تین ہنستے مسکراتے چہرے جھانک رہے ہوں۔ ایک اکائی کے تین سرے، پھر اس نے آنکھوں پر زور ڈال کر غور سے ان تین چہروں کو دیکھنا چاہا اور اسے محسوس ہوا کہ ان تینوں کے درمیان کہیں کچھ جگہ خالی بھی تھی یہ کچھ خالی جگہ آہستہ آہستہ ایک خلا میں تبدیل ہو گئی۔ مگر وہ تینوں چہرے پھر بھی خوش باش لگ رہے تھے۔ ہنستے مسکراتے ہوئے۔ یوں جیسے انہیں اس خلا کے ہونے کا ذرا سا بھی احساس نہیں تھا۔

"چٹاخ" پھر جیسے کسی نے زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا اور اس نے بے اختیار اپنے گال پر ہاتھ رکھ لیا اور اپنی نظریں اس فوٹو فریم سے ہٹا لیں۔

اسی دوران اس کی نظر سامنے دیوار پر پوسٹر بورڈ پر لگی ایک اور فل سائز تصویر پر پڑی۔ یہ بھی اس کی اپنی تصویر تھی۔ ڈیپ ریڈ ٹاپ اور اسٹائلو جینز میں ملبوس اس نے یہ پورٹریٹ "رولو" سے بنوایا تھا۔ اس کا میک اپ شوخ تھا اور بال اسٹائلش انداز میں بکھرے تھے۔ اس نے اینٹیک جیولری پہن رکھی تھی اور اس کے بیک گراؤنڈ میں رنگ ہی رنگ تھے۔ وہ جدید دور کی ایک پرفیکٹ اسٹائل دیوا لگ رہی تھی۔ اس پورٹریٹ کو دیکھتے دیکھتے اس کا دماغ گھومنے لگا اور اس کے سارے رنگ اس کی آنکھوں کے سامنے گڈمڈ ہونے لگے۔ سرخ، پیلا، سبز، نیلا ان سارے گڈمڈ

KitabPk.Com

ہوتے رنگوں کے درمیان ایک چہرہ اسے صاف نظر آنے لگا' یہ رنگ اس چہرے کی پہچان تھے گویا۔

اس نے دماغ پر زور دینے اور یاد کرنے کی کوشش کی وہ چہرہ کس کا تھا۔

"بنتو" اسے کہیں سے آواز آئی' ہاں وہ چہرہ یقیناً" بنتو کا تھا۔ بنتو' جو اوڈھنی تھی۔ اور سرخ پیلے نیلے ہرے رنگوں کے امتزاج والے کپڑوں میں ملبوس رہتی تھی۔ اسے لگا پورٹریٹ میں موجود اسٹائلی دیوانے سرخ نیلے پیلے اور سبز رنگوں کے امتزاج والے چھینٹ کے کپڑے پہن لیے ہوں اور اس کی ناک میں نتھنی اور کانوں میں بالیاں' بازوؤں میں موٹے موٹے مٹیلک کڑے اور انگلیوں میں ڈھیروں ڈھیر چھلے چمکنے لگے ہوں۔

اس نے اپنی آنکھیں میچ لیں اور بیڈ پر اوندھی گر گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ ایک مختصر سے گھر کا کچا مگر صاف ستھرا صحن تھا جس کے ایک کونے میں لگے نیم کے درخت کے نیچے وہ بچی بڑے مصروف سے انداز میں اکیلی بیٹھی کھیلا کرتی تھی۔ وہ اکیلی تھی مگر اپنی دنیا میں اتنی مگن رہتی تھی کہ اسے اپنے اکیلے ہونے کا احساس ہوتا تھا نہ کسی ساتھی کے ہونے کی آرزو' اس کی خیالی دنیا بہت وسیع تھی۔ اس کے پاس چند پرانی گڑیاں تھیں مگر ان گڑیوں کے پہننے کے لیے اس کے پاس ڈھیر سارے کپڑے تھے جو اس کی اماں نے اسے وقتاً" فوقتاً" سی کر دیے تھے — اس کے پاس گتے کے ٹکڑے پر سیٹ کیا اور شفاف پلاسٹک سے کور کیا ایک ڈاکٹری اوزاروں کا سیٹ بھی تھا۔ اور مٹی' چینی کے برتن بھی جو اس کے ابا جی گجرات کے میلے سے لائے تھے۔ اور پھر اس کے پاس ایک اور بہت یونیک کلکشن تھا' گھگھو گھوڑوں کا ایک وسیع ذخیرہ' جن میں گھوڑے بھی اور گھگھو بھی' چولہے بھی تھے اور ہانڈیاں بھی توے بھی تھے اور ڈول بھی' پرندے اور مور بھی' گھگھو گھوڑوں کا یہ ذخیرہ اس نے جمعرات کے جمعرات گاؤں بھر میں پھیرا لگا کر بچے والی بنتو اوڈھنی سے خریدا تھا۔

بنتو اوڈھنی گاؤں سے دور نہر کنارے موجود جھگیوں میں رہتی تھی اور جمعرات کے جمعرات گھگھو گھوڑوں کا ٹوکرا سر پر رکھے' تنکوں سے بنے بھس بھرے اور رنگین کاغذوں سے سجے بڑے گھوڑوں' سفینہ مچھلیوں اور ہتھ گاڑیوں سے بھرے جھلے کو شانے سے لٹکائے ہاتھ میں چھوٹے چھاج اور ٹوٹے چھاج صحیح کرنے کا سامان اٹھائے گاؤں بھر میں آواز لگاتی پھرتی تھی۔

"گھگھو گھوڑے لے لو جی' سفینہ مچھی (مچھلی) آئی جی' چھج (چھاج) ٹھیک کرالو جی۔"

بنتو اوڈھنی کی یہ آواز گاؤں بھر کی لڑکیوں کے کان سننے کے منتظر رہتے تھے۔ اور ہم ہما کر بچیاں بالیاں اس کی اس آواز کو سن کر گلیوں میں جمع ہو جاتی تھیں۔ ان کے دل گھگھو گھوڑوں کے ڈھیر خرید کر اور سفینہ مچھلیوں اور تنکوں کے' اور کاٹھ کے رنگ برنگے گھوڑے خرید خرید کر نہیں بھرتے تھے اور وہ ہر جمعرات کو نئے سرے سے یہ سب چیزیں خریدنے میں مصروف ہو جاتی تھیں۔ یہی حال اس لڑکی کا بھی تھا جو اپنے گھر کے کچے صحن کے کونے میں لگے نیم کے درخت کے نیچے گم تنہا کھیلا کرتی تھی اور اپنے خیالوں کی دنیا میں مگن رہتی تھی۔

اس تنہا لڑکی کا نام۔ اس کا نام اس کے پس منظر سے بالکل بھی میل نہیں کھاتا تھا۔ اس کا نام اس کی اماں کی شہر لاہور میں رہنے والی پڑھی لکھی بھابھی نے جو کسی اسکول میں پڑھاتی تھیں نے رکھا تھا۔ اس کا نام مرینہ تھا۔ بہت بعد میں جب اس نے صحیح معنوں میں دنیا دیکھی تو اسے خیال آیا کہ اس کی ممانی نے یقیناً" یہ نام کسی افسانے کی ہیروئن کا نام پڑھ کر رکھا ہوگا۔ خواتین کے کسی ناول کا ٹائٹل پڑھ کر یا پھر ٹی وی پر ان دنوں چلنے والے کسی پاپولر ڈرامے کی ہیروئن سے متاثر ہو کر' جو بھی تھا اس کا نام اس گاؤں میں موجود لڑکیوں کے روایتی ناموں سے مختلف تھا اور وہ خود بھی گاؤں میں موجود روایتی ناموں والی لڑکیوں سے

بہت مختلف تھی۔

وہ اپنی جس دنیا میں مگن رہتی تھی اس میں کبھی وہ ایک بڑی ڈاکٹر ہوتی تھی اور کبھی ایک بڑی دکان دار، کبھی اس کے پاس اسکول کی ہیڈ مسٹریس کا چارج ہوتا کبھی بینک میں کام کرنے والی جو درخت کے پتوں کو پیسے بنا کر کیش کا کام بناتی، کبھی ٹی وی پر خبریں پڑھنے والی لڑکی کی طرح سر پر دوپٹہ جما کر الفاظ کو چبا چبا کر ادا کرتی۔ اور کبھی بجلی کے تار کا لمبا بیکار ٹکڑا ہاتھ میں پکڑ کر گانا گاتی نور جہاں۔ اس کی فینٹیسز بھی خوب تھیں، اور یہ گاؤں کی باقی لڑکیوں سے مختلف اس لیے تھیں کہ اس کے گھر کا ماحول گاؤں کے باقی گھروں کے ماحول سے مختلف تھا۔ اس کی اماں گاؤں کے واحد پرائمری گرلز اسکول کی ہیڈ مسٹریس تھیں اور ابا جی نزدیکی قصبے کے ہائی اسکول میں سینئر ٹیچر تھے۔ ان کے گھر میں زندگی کی بنیادی ضرورت ایک پرانا روم کولر، گاؤں میں قدرتی گیس کی سہولت نہ ہونے کے سبب گیس سلینڈر اور دو برنرز کا چولہا، یہ چھوٹی چھوٹی اشیاء اس کے گھرانے کو گاؤں کے دیگر گھرانوں سے ممتاز کرنے کے لیے کافی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے گھر میں ضرورت مندوں کی ایک بڑی تعداد اکثر حاضر رہتی تھی خصوصاً گرما کی دوپہروں میں برف مانگنے والوں اور سرما کی سہ پہروں میں اپلوں کے اشاک سے چند اپلے مانگنے والوں کی۔

اس کی اماں اگرچہ گاؤں والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے سبب ہر دل عزیز تھیں مگر اسے اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ زیادہ میل جول سے منع کرتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ عام لڑکیوں کے ساتھ میل جول اس کی تربیت اور تعلیم کے ایک سے تسلسل میں رکاوٹ پیدا کر سکتا تھا۔ یوں اس نے اپنی ایک علیحدہ دنیا بسالی۔ گاؤں کی دیگر لڑکیوں اور اس کے مزاج میں صرف ایک ہی بات میں مماثلت تھی اور یہ مماثلت بنتو اوڈھنی کی آمد پر سرخوشی کے عالم میں گھر کے دروازے تک بھاگ کر جانا تھی۔

پورا ہفتہ وہ لاشعوری طور پر بنتو کی آمد اور اس کی کراری آواز کی منتظر رہتی اور اس کی آمد پر اس کا دل بے اختیار جھوم اٹھتا۔ پورا ہفتہ ابا جی سے لے کر جمع کی ہوئی چونیاں، اٹھنیاں اس نے رومال کے کونے میں باندھ کر رکھی ہوتی تھیں۔ اور بنتو کے سامنے رومال کھول کر وہ پیروں کے بل بیٹھ جاتی۔ بنتو حساب کتاب کی ماہر تھی۔ خوب اچھی طرح پڑتال کرنے کے بعد وہ چونیوں اٹھنیوں کے اعداد و شمار اسے دیتی اور پھر یہ بھی بتاتی کہ ان پیسوں میں وہ کیا کیا لے سکتی ہے۔ کتنے گھگھو گھوڑے اور تنکے سے بنے ہوئے کتنے کھلونے، وہ اپنی پٹاری گھگھو گھوڑوں سے بھر لیتی اور بدل بدل کر تنکوں اور بھس بھرے آئٹمز کی خریداری کرتی۔

بنتو کو نجانے اس گھر سے ویسے ہی زیادہ انسیت تھی یا اسے یہ باقی لوگوں سے زیادہ کھاتا پیتا گھرانہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہاں زیادہ وقت گزارنا پسند کرتی تھی۔ اماں کے ٹوٹے چھاج مرمت کرتی یا پھر اپنے ساتھ لایا ساز و سامان انہی کے صحن میں کھول کر بیٹھ جاتی اور لوگوں کے مرمت طلب چھاج وہیں بیٹھ کر مرمت کرتی۔ یہ منظر مرینہ کو بہت دلچسپ لگتا جب بنتو کی چاندی اور رنگ برنگ پلاسٹک کے چھلوں سے بھری پتلی مگر کالی رنگت والی انگلیاں تنکوں اور مرمت کرنے والے سوئے اور خاص میٹریل کے دھاگوں سے نبرد آزما ہوتیں۔

وہ مہارت سے تنکے جوڑتی، سائیڈوں پر تنکوں کے چھوٹے گٹھے لگاتی اور چھاجوں کو مخصوص شکل دیتی جاتی۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر وہ اپنے سر پر رکھی رنگ برنگ ڈیزائنوں والا چادر نما دوپٹہ اتارتی، اپنے چہرے پر پھیرتی اور اماں سے اپنی مخصوص زبان اور لہجے میں مخاطب ہوتی۔

"ہے کوئی روٹی پانی بی بی صیب، ملنے دا اے کھانے نوں کوچھ۔" (ملے گا کھانے کو کچھ)

اماں گھر میں ادھر ادھر کے کام کرنے والی ملازمہ ماسی سلیمہ کو اشارہ کرتیں اور لپا جھپ روٹی کے اوپر کوئی ترکاری، اچار یا کبھی صرف شکر اور دیسی گھی رکھ کر لے

آتی۔

اتنے میں بنتو صحن میں لگے ہینڈ پمپ کو چلا کر شفاف پانی سے اپنے ہاتھ، چہرہ اور پاؤں دھو کر دوپٹے سے خشک کرتی واپس اماں کے پاس آکر بیٹھ جاتی۔ ذرا سی ترکاری یا اچار کے چھوٹے سے آم یا لسوڑے کے ساتھ خاصی بڑی روٹی نمٹاتی بنتو کو دیکھنا بھی مرینہ کے لیے ایک دلچسپ منظر ہوتا بلکہ شاید اس کا پسندیدہ ترین منظر تھا۔

وہ دو چار بھنڈیوں میں ملے اکا دکا پیاز ٹماٹر اور ہری مرچوں کو الٹی پلٹتی روٹی کے نوالوں میں لپیٹتی کھاتی اور ساتھ ساتھ اماں سے اپنے دکھڑے بھی روتی جاتی۔ اس کا خاوند نشئی تھا اور کام چور، نکما، وہ اسے کما کر کھلانے کے بجائے اس کی کمائی اور محنت پر عیش کرتا تھا۔ جی بھر کر اسے پیٹتا، اس کے تھکے ہارے وجود سے اپنی پیاس بجھاتا۔ کھاتا پیتا اور نشہ لے کر پینک میں پڑا رہتا تھا۔ بنتو مٹی کے گھگھو گھوڑے بناتی، بھٹی میں انہیں پکاتی، ننھوں کے جانور اور دیگر اشیاء بناتی، جھاج جوڑتی اور ہفتہ بھر بعد اپنا ساز و سامان اٹھائے گلی گلی، گاؤں گاؤں صدا لگاتی کمائی کرتی رہتی۔ وہ کمائی جس کا آدھے سے زیادہ حصہ اس کے نکھٹو خاوند کے نشے کا ایندھن بننے والی ہوتی۔

"مار کر کم بخت کو نیچے ڈھا کر، ڈیڑھ پسلی کی تو جان ہے اس میں۔" ماسی سلیمہ ادھر ادھر کام کرتی بنتو کو مشورے دیتی۔

"ہائے آئے آپاں جی، مردنوں ڈھائیں کے تے مار کے بہشت تاں کیس راں جاں ساں ایہہ دسوں مینوں پہلاں۔" (مرد کو گرا کر مار کر جنت میں کیسے جاؤں گی یہ بتائیں پہلے، مجھے ذرا) بنتو اس مشورے پر الٹا سوال کرتی۔

"ایسے تو، تو جنت میں بس پہنچی کہ پہنچی۔" ماسی سلیمہ تمسخر اڑاتی "کبھی خدا رسول کو بھی یاد کیا تو نے؟"

"او جی کیوں نہیں۔" بنتو روٹی کی پلیٹ نیچے رکھ کر اپنی چھلے بھری انگلیاں موڑ کر ہونٹوں سے چومتی اور آنکھوں سے لگالیتی "کلام نہ پڑھنا آوے مینوں، پر کلام پاک دیاں سطراں اتے انگلی پھیردی جاندی گواہی تاں ریندی ناں میں ایہہ اللہ سوہنے دا کلام آ اتے نالے محمد پاک رسول اللہ دے اتے اتریا، بی بی صیب گواہیاں اگے جاون کہ نہ جاون۔" (کلام تو پڑھنا مجھے نہیں آتا مگر اللہ کے پاک کلام کی آیتوں پر انگلیاں پھیرتی ہوں اور گواہی دیتی ہوں کہ یہ میرے سوہنے رب کا کلام ہے اور پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر اترا ہے۔ بی بی صاحب گواہیاں آگے جائیں گی کہ نہیں جائیں گی اللہ تعالیٰ کے پاس)

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔"

اماں بھی اپنی انگلیاں چوم کر آنکھوں سے لگا لیتیں اور ماسی سلیمہ کو گھورتے ہوئے کوئی اور گوہر افشانی نہ کرنے کا اشارہ کرتیں۔

بنتو کھانے کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیتی اور وہ اپنی حیران متجسس آنکھیں کھولے اسے دو تین بھنڈیوں یا دو چار آلوؤں یا ایک دو لہسو ڑوں، کبھی آم کے اچار کی چھوٹی سی پھانک کے ساتھ روٹی نمٹاتے ہوئے دیکھتی رہتی۔ اس دعوت شیراز سے فارغ ہونے کے بعد با آواز بلند اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی۔

"شکر پاک خدا دا جنہیں ڈھڈ دی اگ بجھائی۔ شکر بی بی صیب دا جنہیں سوالی نوں ناں نہ کیتی ایہہ (شکر اللہ پاک کا جس نے پیٹ کی بھوک بجھائی۔ شکر بی بی صاحب کا جس نے مجھ سوالی کے سوال کو رد نہیں کیا)

پھر وہ ہاتھ دھو کر کلی کرنے کے بعد اپنا بکھرا سامان سمیٹتی اسے سلیقے سے ٹوکرے اور جھیلے میں رکھتی اور ٹوکرا سر پر ٹکا جھیلا شانے سے لٹکا کر ایک ہاتھ ٹوکرے پر جما کر دوسرا ماتھے تک لے جا کر اماں کو سلیوٹ نما سلام کرتی اپنے آپ سے باتیں کرتی دروازے سے باہر نکل جاتی۔

مرینہ کا فینسٹی ڈرامہ اس کے باہر نکل جانے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا۔ اور وہ تازہ خریدے گھگھو گھوڑوں اور بھس بھرے جانوروں کی طرف متوجہ ہو جاتی۔ جن کی شکلیں اتنی مانوس تھیں کہ وہ آنکھیں

بند کر صرف ہاتھ لگا کر رہ سکتی تھی کہ اس کا ہاتھ کس بچے پر تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ گھر میں موجود سارا پیسہ اٹھا کر ٹیچر کو دے کر اس سے اس کا گھوڑا گھوڑوں سے بھرا سارا ڈبا خرید لیتی۔ مگر اماں اسے ایسا کرنے نہیں دیتی تھیں۔ اور یوں وہ اگلی پچھلی ساری کلیکشن سے اکیلی بیٹھی کھیلتی رہتی۔

وہ اپنی اماں کے اسکول ہی میں پڑھتی تھی۔ مگر گھر میں اس کا نصاب مختلف تھا جو اس کے ابا جی کسی انگلش میڈیم اسکول کی بک شاپ سے لا کر آتے اور خصوصی طور سے اسے خود پڑھاتے تھے۔ یوں وہ دونوں طرح کے نصاب میں طاق ہو رہی تھی اور گاؤں بھر کی باقی لڑکیوں سے مختلف مزاج اور دماغ رکھتی تھی۔ حتیٰ کہ گاؤں کے چوہدری صاحب اور نمبردار صاحب کی بیٹیوں سے بھی جو اس ہی کی طرح اماں کے اسکول ہی میں پڑھتی تھیں۔

اس کی تنہا دنیا میں ہلچل سلمان خالد نے مچائی تھی جو اس کی اکلوتی خالہ کا بیٹا تھا اور ایک بار جب وہ پانچویں درجہ میں پڑھ رہی تھی تو پہلی بار ان کے ہاں گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے آیا تھا۔ عجیب لڑکا تھا' وہ بالکل جنوں کی صفات والا۔ اس کی خالہ پنڈی میں رہتی تھیں اور ایک عرصے سے اماں کے اس اصرار کے باوجود کہ وہ لوگ ان کے ہاں آ کر رہیں صرف اس لیے ادھر آنے میں متامل تھیں کہ اماں گاؤں میں رہتی تھیں۔ مگر اس سال مرینہ نے سنا تھا کہ خالہ اپنے اکلوتے بیٹے کی فرمائش سے مجبور ہو کر ادھر رہنے آئی تھیں۔

"ہیں!" عائشہ نے سنا تو اپنا دوپٹہ منہ پر رکھتے ہوئے شدید حیرت کا مظاہرہ کیا۔ "ابھی تو میٹرک کا رزلٹ بھی نہیں آیا اور تمہاری شادی ہونے لگی ہے۔ تم تو کہتی تھیں کالج میں پڑھوں گی؟"

سنہری کرن لگا دوپٹہ سر سے سرکائے پھپھک پھپھک کر روتی اس کی دوست نے لال سرخ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اسے شاید اپنے دعوے یاد آئے تھے یا پھر ملیا میٹ ہوتے خواب اس نے کرن لگا دوپٹہ اس کے کھینچنے کی پروا کیے بغیر دوبارہ آنکھوں پر رکھا اور پھر رونے لگی۔

باپ تو اکثر لوگوں کے مر جاتے تھے مگر اس کا باپ کیا مرا کہ اس کے دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ اس کے رونے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا اور دنوں میں اس کی شادی تیار کر دی گئی۔ اس کی ماں کو بخوبی اندازہ تھا کہ اب زندگی کا رنگ بدلنے کا وقت تھا۔ خواب' آورش' شوق' خواہشات سب کا وقت ختم ہو چکا تھا یا پھر شاید وقت بہت پیچھے رہ گیا تھا اور وہ بہت آگے نکل گئی تھی۔

"میں سمجھا تو یہ تم ہو۔" اس خوش شکل مرد نے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "سچ ہے تم سدا بہار کے پودے کی مانند ہو' کل بھی ایک کھلا ہوا پھول تھیں' آج بھی ہو اور آنے والے کل میں بھی ایسی ہی رہو گی۔"

"تم بھول رہے ہو۔" لڑکی نے اسٹائل سے اپنا دوپٹہ شانے پر سجاتے ہوئے کہا۔ "میرے پچھلے کل اور آج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں آج وہ کسی طرح سے بھی نہیں لگتی جو میں کل تھی۔"

"میں حسن کی بات کر رہا ہوں۔ وہ حسن جو کل معصوم تھا۔ آج قدرے خود آگاہ اور مغرور سا نظر آ رہا ہے۔ حسن کی جھلک میں بھلے فرق آ گیا ہو' حسن اپنی جگہ موجود ہے۔ سدا بہار۔" مرد نے اس کے قریب آتے ہوئے اسے شانوں سے تھام لیا اور اس کے خوبصورت چمکدار بالوں کو چوم لیا۔

"یہ تمہارا حسن نظر ہے ورنہ بندی کس قابل ہے۔" لڑکی شوخی سے بولی اور کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس کی ہنسی کی آواز سے جیسے ہر طرف جلترنگ سا بج اٹھا تھا۔

"مجھے اپنے انتخاب پر ناز ہے اور اپنے مشاہدے پر فخر۔ لوگ اس فیصلے کو میری جلد بازی پر محمول کرتے تھے اور جذباتی قرار دیتے تھے۔ وہی لوگ اب سوچتے ہوں گے کہ میں نے نقصان کا سودا ہرگز نہیں کیا تھا۔ یہ تو وہ سودا ہے جس کا منافع ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔" مرد نے ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم اٹھا کر اس کے اوپر اسپرے کرتے ہوئے کہا۔

"بس کرو۔" میں پہلے ہی باڈی اسپرے اور پرفیوم میں خود کو اچھا خاصا" بھگو چکی ہوں۔" لڑکی نے دونوں ہاتھ اپنے سامنے کیے گویا پرفیوم کے اسپرے سے بچنا چاہتی ہو۔

"تم یونہی اچھی لگتی ہو' خوشبو کے جھونکے کی مانند جس کا اثر دماغ پر تمہارے جانے کے بعد بھی رہتا ہے۔" مرد نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی ٹائی کی ناٹ کو درست کرتے ہوئے جواب دیا۔ اور وہ لڑکی کتنی ہی دیر آئینے میں نظر آتے اس کے مضبوط اور خوبصورت سراپے کو دیکھتی رہی۔ وہ کتنا وجیہہ تھا' کتنا ہینڈسم۔ اس کا لباس ہمیشہ اعلیٰ معیار کا ہوتا تھا اور اس کے ذوق کو ظاہر کرتا تھا۔ وہ جو بھی پہنتا اس کو سوٹ کرتا تھا یا پھر شاید اس کی چوائس اتنی محتاط ہوتی تھی کہ وہ وہی پہنتا تھا جو اسے سوٹ کرتا تھا۔ اس لڑکی کو اس مرد سے عشق ہونے لگا تھا۔ اس کے وجود سے بھی اور اس کے دل سے بھی۔

مرینہ کو اپنی اکلوتی خالہ کے اس اکلوتے بیٹے کی عادات پر حیرت ہوتی تھی۔ وہ کبھی کسی گاؤں میں نہیں رہا تھا۔ ان کے ہاں آکر اس نے ایک بار بھی اپنی شہری خو بو نہ دکھائی تھی۔ بلکہ مرینہ کو تو ایسا لگتا جیسے وہ اپنے تئیں کسی ونڈر لینڈ میں آگیا ہے۔ جس کا کونا کونا چھان مارنے کو وہ بے تاب نظر آتا تھا۔ ہمیشہ سے اس گاؤں میں رہتے ہوئے۔ مرینہ نے وہ کام نہیں کیے تھے جنہیں کرنے پر وہ ہر دم تیار رہتا تھا۔ تھوڑے سے دنوں میں اس نے یہاں کئی دوست بنا لیے تھے جن میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ وہ غلیل چلانا سیکھ رہا تھا اور کیرٹی کاڑا کھیلنا بھی۔ کسی دن وہ چوہدریوں کے ٹیوب ویل پر پہنچا غسل فرما رہا ہوتا اور کسی پل جامن کے درخت پر چڑھا پکی پکی جامنوں کا ڈھیر اکٹھا کر رہا ہوتا۔ گاؤں کی گلیوں میں اکثر سنائی دینے والی آواز۔

"بالو کڑیو! ونڈی دی کھیر لے جاؤ۔" (بچو اور لڑکیو' تقسیم کی جانے والی کھیر لے جاؤ)

کی آواز پر وہ زقند بھرتا گھر سے باہر نکلتا اور واپسی پر چاول کی کھیر یا فرنی سے بھری مٹی کی ٹھوٹھیاں اٹھا لاتا۔

"تم تو پاگل ہو بھلا اس میں کیا بات ہے۔ بچوں کے لیے ہی تو بانٹی جاتی ہے کھیر۔" وہ لپالپ ٹھوٹھیاں ختم کرتے ہوئے مرینہ کے ناک بھوں چڑھانے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا۔

ماسی سلیمہ کے ساتھ شمو بھٹیارن کی بھٹی کا چکر لگاتا اور واپسی میں اپنی جھولی میں مکئی کے بھنے ہوئے دانے اور بھنے چاول سمیٹ لاتا۔

"توبہ! کتنے گندے ہو تم' کوئی پلیٹ پیالہ لے جاتے' یہ کیا کہ اپنی قمیص کے دامن میں ہی بھر لائے۔" مرینہ نخوت سے کہتی۔

"وہاں سب لوگ ایسے ہی لا رہے تھے۔ میں نے سوچا اس کا طریقہ یہ ہی ہوگا' اس لیے میں نے بھی ایسا ہی کیا۔" وہ مزے سے دانے چباتے ہوئے کہتا۔ "ہر کام اس کے مخصوص طریقے سے ہی کرنا چاہیے ورنہ اس کے کرنے میں مزا نہیں آتا۔"

غرض کچھ ہی دنوں میں وہ گاؤں کے معمول میں یوں غرق ہوا جیسے اسے یہیں رہنا ہو۔ واپس کبھی نہ جانا ہو۔ اس صورت حال نے خالہ کو بوکھلا دیا۔ وہ انتہائی محنت اور توجہ سے اسے زندگی کے قرینے اور ڈھنگ سکھا رہی تھیں اور لڑکا اپنے جناتی معمولات کے زیر اثر ان کی ساری محنت غارت کیے دے رہا تھا۔ سو وہ جھٹ پٹ ٹکٹ منگا' سامان باندھ واپسی کی تیاری کرنے لگیں۔ اس روز جب انہیں واپس جانا تھا مرینہ کو سلمان خالد کا لٹکے ہوئے چہرہ اور اداس شکل پر ہنسی آتی رہی۔

"بے چارہ۔" اس نے دل میں سوچا تھا۔

سرخ' پیلے' نیلے اور سبز رنگوں کے ترمرے دیر تک اس کی آنکھوں کے سامنے ناچتے رہے اور اس کے کانوں میں مدت کے بعد "بنتو اوڈھنی" کی آواز گونجتی رہی۔ بنتو جسے ماسی سلیمہ ہمیشہ مشورہ دیتی رہی کہ اپنے نشئی خاوند کو جو اسے چار چوٹ کی مار مارا کرتا تھا اور اس کے کمائے پیسے کو اس سے چھین کر اپنا نشہ پورا کرتا تھا کو یا تو چھوڑ کر چلی جائے یا پھر اس منحنی مریل شخص کو نیچے گرا کر خوب مارے مگر جو اپنے زخم دکھاتی اپنے محنت کش کھردرے کٹے پھٹے ہاتھوں سے کوپیرا شوٹ

دھاگوں سے باندھتی نئی نئی شکل دیتی ان مشوروں پر توبہ توبہ کرتی جاتی۔

"مرد جات نوں ماں اللہ سوہنے نے بوتا اچا ہتھ عنیت فرمایا اے' اللہ سوہنے دیاں کھیڈاں ماں کوئی لڑائی نائیں نا بی بی صیب' عقلاں دی رج کے عنیت فرمایاں اوس دی جات نوں اتے زنانی نوں ماں حکم ای ایسود نا پئی' فرمابرداری کرو۔ نا بی بی صیب بندہ رج کے گناہ گار ہوندا کہ نائیں شکیت تے فریاد کرکے۔"

(مرد کی ذات کو خدا تعالیٰ نے اونچا ہاتھ عنایت فرمایا ہے' اللہ سوہنے کے کاموں سے کوئی لڑائی نہیں کوئی فرار نہیں بی بی صاحب! مرد کو اللہ تعالیٰ نے عقل بھی زیادہ عنایت فرمائی ہے اور عورت کو حکم دیا کہ فرمانبرداری کرو' بی بی صاحب انسان اللہ سے شکوہ کرکے زیادہ گناہ گار ہوتا ہے کہ نہیں۔"

وہ اماں سے اپنی بات کے بارے میں رائے لینا نہ بھولتی تھی۔ اس نے بچپن سے بنتو اوڈھنی' کے ایسے ہی فرمان سنے تھے جس کے فلسفے کا لب لباب یہ تھا کہ صابر' شاکر' عبادت گزار' خدا کی زمین پر رہنے والے نیک لوگ بہت ہیں' مگر صبر' شکر' عبادت گزاری اور نیکی سے بڑھ کر زیادہ اہم چیز راضی برضا ہو جانا ہے۔

"صبر' شکر بھی تو یہ ہی ہوتا ہے راضی برضا۔" ایک روز جن دنوں وہ آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھی اس نے یہ 'اوور ریپٹڈ' باتیں سننے کے بعد پہلی مرتبہ بنتو سے سوال کیا۔

"اوئے میرا بچہ۔" اس وقت جبکہ بنتو کے بدن میں کمزوری اور بالوں میں سفیدی آرہی تھی اس کی بات سن کر وہ اپنا کام چھوڑ کر اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد ہنسی۔

"صبر تاں بندہ کردا اے۔ چل رب سوہنیا ہن نائیں تاں فہر کدھے سئی' شکر دو جاناں اے ایس گل دا کہ جو دتا سو شکر اے او میرے کول آہیں پر اوس دی مرضی تاں راضی ہونے دا مطلب کج ہور آئیں۔"

(صبر تو بندہ اس لیے کرتا ہے کہ اے میرے پیارے رب چل اب نہ سہی' کسی اور وقت تو میری دعا قبول کرے گا' شکر کا مطلب خدا کے دیے پر شکرانہ ادا کرنا ہے' مگر اس کی مرضی پر راضی ہونے کا مطلب کچھ اور ہے۔)

اس کا کیا مطلب ہے بنتو؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"ایس دا مطبل ایہہ آہیں کہ میریا سوہنیا مولا جو تیری مرضی سوہی میری مرضی۔" (اس کا مطلب ہے کہ میرے سوہنے مولا جو تیری مرضی وہ ہی میری مرضی)

بنتو نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

"جو تیری مرضی سوہی میری مرضی۔"

مرینہ نے بنتو کا فلسفہ بہت کم عمری میں سن لیا تھا مگر وہ اسے بہت دیر تک سمجھ نہ پائی تھی' حتیٰ کہ اس وقت بھی جب بنتو نے اسے اس کے ابا جی کی وفات پر تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔

"دھی رانی' جو رب سوہنے دی مرضی آہیں او ہوای اودھے بندے دی مرضی ہونی چاہیدی۔" (جو رب سوہنے کی مرضی ہو وہ ہی اس کے بندے کی مرضی ہونا چاہیے)

اس کی سمجھ میں آئی تھی تو صرف یہ بات کہ اس کے ابا جی دنیا سے ہمیشہ کے لیے چلے گئے تھے اور اس کی خالہ اور ان کا اکلوتا بیٹا بھی ان کی وفات پر آیا تھا۔ اسے یہ بھی بات سمجھ میں آگئی تھی کہ اس کے دونوں چچا ابا جی کی جائیداد میں اپنا حصہ بٹورنے اس لیے آگئے تھے کیونکہ ان کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی اور یہ بھی سمجھ میں آگیا تھا کہ اب ان کا اس گاؤں میں رہنا ممکن نہیں تھا۔

"میں رشید کے بیٹے کو اپنی بچی نہیں دوں گی آپا!" اس کی اماں نے روتے ہوئے اپنی بہن سے کہا تھا۔

"مگر وہ زبردستی کر رہا ہے صرف چار چپے زمین کی خاطر' کہتا ہے لڑکی اٹھا کر لے جاؤں گا۔"

"لڑکی ہے کوئی جانور یا بے جان شے؟" خالہ نے تنک کر کہا تھا۔ "تم بھی۔ ساری عمر سسرال والوں سے بنا کر نہیں رکھی۔ اب یہ دن بھی اسی لیے دیکھنے

پڑے ہیں۔"

"ہمیں لے نہیں بنی آپا! آپ کو تو پتہ ہے 'وہ کیسے لوگ ہیں۔" اماں نے روتے ہوئے کہا۔

"مرینہ لاوارث نہیں ہے 'ایسے کوئی زبردستی نہیں اٹھا کر لے جاسکتا۔" خالہ نے تسلی دی۔

ماموں اور ممانی بھی حتی المقدور دلاسہ دے رہے تھے۔ مگر دونوں چچاؤں کو غالباً "اماں کے پچھلے سارے رویے شدت سے یاد آنے لگے تھے۔ اور وہ دونوں ایک ہی بیٹے میں ان سے بدلہ لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس کی اماں کو اچھی خاصی دھمکیاں بھی دی تھیں۔

وہ یہ سب دیکھ رہی تھی اور سمجھ رہی تھی۔ اس دیکھنے اور سمجھنے کے دوران اسے بھول گیا تھا کہ بنتو نے اسے کون سا فلسفہ سنایا تھا۔

کہانی روایتی سی تھی۔ اس کے اگلے مناظر بھی روایتی ہی رہے۔ اماں نے دنوں کے اندر اس کا رشتہ اکلوتی خالہ کے اکلوتے بیٹے سے طے کردیا۔ اور جھٹ پٹ اس کا نکاح پڑھا کر اسے خالہ کے ساتھ رخصت بھی کردیا۔ اسے یہ ساری باتیں 'سارے منظر یاد رہ گئے مگر انہونی کے ہونے کا رنج اور گلہ اتنا زیادہ اس کے دل میں تھا کہ اسے بنتو کا فلسفہ بالکل ہی بھول گیا۔

خالہ کا اکلوتا بیٹا سلمان خالد جو جناتی صفات کا حامل نظر آتا تھا۔ اتنے سالوں میں بہت بدل گیا تھا۔ وہ سوفٹ ویر انجینئرنگ کے تیسرے سال کا طالب علم تھا اور اس کا رنگ ڈھنگ ہرگز وہ نہیں رہا تھا۔ جو بہت سال پہلے مرینہ نے اس کی اپنے گاؤں میں پہلی آمد کے موقع پر دیکھا تھا۔ غلیل چلانا سیکھنے والا 'درختوں پر چڑھ کر کچی ہوئی جامنیں چننے والا 'بھنتی ہوئی مکئی اور چاولوں سے جھولی بھر کر لانے والا اور کھیر کی ٹھوٹھیاں چاٹنے والا ایک خوش شکل 'خوش لباس 'جدید قطع وضع کے حامل نوجوان میں بدل چکا تھا۔ وہ دیکھنے میں ہی ایک نفیس اور شائستہ لڑکا نظر آتا تھا اور اس کی حقیقت پسندی کا یہ عالم تھا کہ وہ افراتفری میں اپنے پلے بندھ جانے والی اپنی ایک دور افتادہ گاؤں میں رہنے والی خالہ کی اس گلوڑی سی کم عمر اور کم فہم لڑکی کو زندگی کی ساتھی کے طور پر یوں قبول کرچکا تھا کہ اس کی ماں کا حکم تھا۔ اس کا اپنا کیریئر ابھی بنا نہیں تھا اور وہ ایک اضافی ذمہ داری کا چارج سنبھال رہا تھا۔ مگر اس اضافی ذمہ داری کو گھر کی آسودہ حالی نے محسوس نہیں ہونے دیا تھا۔

"تمہارے ساتھ جو ہوا 'اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔"

اس نے پہلی رات مرینہ کو مخاطب کرتے ہوئے نرمی سے کہا تھا۔

"مگر میرا خیال ہے کہ ماضی کو بھول جانا اور حال میں جینے کی کوشش کرنا ہی دانش مندی ہے۔ تم کیسے بھی سہی 'میری زندگی میں آئیں۔ بہرحال میری قسمت میں تمہارا ہی ساتھ لکھا تھا جب ہی جو چند دن پہلے سوچا نہ بھی تھا وہ "آناً فاناً" ہوگیا۔ میرا تمہیں مشورہ یہ ہی ہوگا کہ پیچھے کو بھول جاؤ۔ آگے کی سوچو۔ تم نے ابھی صرف میٹرک کا امتحان دیا ہے۔ اس سے آگے بہت سے ایسے گول ہیں جن میں سے کسی ایک کو اگر تم مقصد حیات بنالو تو تمہاری زندگی آسان اور بامقصد ہوجائے گی۔"

مرینہ کا ذہن اور تے کی ناگہانیوں نے پہلے ہی تقریباً "بلینک" کررکھا تھا اس پر ایسی بھاری بھرکم سمجھ میں نہ آنے والی باتیں "گولز" مقصد 'مقصد حیات 'بامقصد اس کے پلے کچھ بھی نہیں پڑا۔ وہ بس حواس باختہ سی ہٹر بٹر کرکے اسے دیکھتی رہی جو واقعی بہت بدل گیا تھا۔

مرینہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ سلمان نے پہلی رات اس سے کیا کہا تھا۔ مگر سلمان کو خوب اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے پہلی رات کیا بات کی تھی وہ ایک پریکٹیکل انسان تھا۔

"سیدھی سی بات ہے جی۔" اس کی خالہ نے لگی لپٹی کے بغیر کہا تھا۔ "مرینہ کو چچاؤں کے بیٹوں سے بچانے کے لیے میں نے سلمان کو شادی پر مجبور کیا 'میرا بیٹا اتنا فرماں بردار تھا تو ہی اس نے میرے کہنے پر اپنی

سوچ اور خوابوں کی قربانی دی۔ مرینہ کی عمر ابھی کچی ہے یہ چاہے تو اس کی پسند میں ڈھل سکتی ہے جیسا وہ چاہتا ہے۔ ویسا کرتی جائے۔"

اس کی اماں نے ان خیالات کی تائید فرمائی۔ اور مرینہ کو اپنی خیالی دنیا کو تیاگ دینا پڑا۔ وہ اپنی خیالی دنیا میں مگن اپنے تئیں کیا کیا بنتی تھی بھول جانا پڑا۔ گھگھو گھوڑوں اور سرکنڈوں سے بنے بھس بھرے رنگ برنگے کھلونوں کی دنیا سے باہر نکل کر زندگی کے دھندوں میں گم ہو جانا پڑا۔

وقت سرعت سے گزرتا گیا۔ وہ سلمان کی پسند میں ڈھلنے اور خود سے شادی کر لینے والے اس کے احسان کو اتارنے کے چکر میں اندازہ ہی نہ لگا سکی کہ وقت کتنی تیزی سے گزر گیا تھا۔ ایف اے گریجویشن اور پھر ایم بی اے فنانس وہ کتابوں اور کالجوں' یونیورسٹیوں کی دنیا میں کھب گئی۔

ایک دیہاتن سے شہری لڑکی میں ٹرانسفارم ہونے کے سفر میں اس کی اصل شخصیت مصلحتوں کے دبیز پردوں میں دبتی چلی گئی۔

سلمان اور خالہ مل کر اس کی شخصیت کی گرومنگ کر رہے تھے۔ کھڑے کیسے ہوتے ہیں۔ بیٹھتے کیسے ہیں' چلتے کیسے ہیں' بات کیسے کرتے ہیں لہجہ کیسا ہونا چاہیے' میز پر بیٹھ کر کھانا کیسے کھاتے ہیں' چھری کانٹا کیسے استعمال کرتے ہیں۔ اچھے کپڑے پہننے کا ڈھنگ کیا ہوتا ہے۔ اچھے لوگوں سے ملنے کا انداز کیسا ہوتا ہے۔ سلمان کا معیار بلند تھا اور وہ اس معیار کو چھونے کے چکر میں اپنا قد اونچا' اونچا اور اونچا کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوتی رہی۔

☆ ☆ ☆

"یو آر ریئلی ڈفرنٹ۔" اس ایگزیکٹو ڈنر کے دوران اس کی ٹیبل پر بیٹھے رشید پراچہ نے کالے زیتون کا ٹکڑا کانٹے میں پھنساتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا۔

"خواتین کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں" اس نے مزید خیال آرائی کرتے ہوئے کہا۔ "سادہ' بے نیاز' بہت غیر معمولی مگر اپنی حقیقت سے بے خبر' بہت معمولی مگر خود کو کیش کرانے کے فن سے واقف' بہت غیر معمولی اور خود کو محسوس کرانے کے تمام گر جاننے والی' تمہارا تعلق آخری قسم سے ہے۔"

"بہت غیر معمولی اور خود کو محسوس کرانے کے تمام گر جاننے والی۔" اس نے اورنج جوس کا گھونٹ لیتے ہوئے دل میں تمام قسموں کا جائزہ لیتے ہوئے سوچا اور اس کا دل زور سے کروٹ بدل گیا۔

"تمہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ خود کو کہاں اور کیسے محسوس کرانا ہے۔ کس موقع پر صرف لکس سے' کس موقع پر لکس اور لباس دونوں سے۔ کس موقع پر گفتگو سے اور کس موقع پر اوپر والی پورشن کے گرد گھانے سے۔" پراچہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور جس خاتون کو خود آگاہی اتنی وافر مقدار میں عطا کر دی گئی ہو' اس کی کامیابی کے راستے میں کوئی بیریئرز نہیں ہوتے۔ اس کا راستہ سیدھا اور شفاف ہوتا ہے' مختصر بھی ہو جاتا ہے اور بہت جلد وہ کامیابی کی چوٹی پر پہنچ کر نیچے کھڑی مخلوق کے نعروں کا ہاتھ ہلا ہلا کر جواب دے رہی ہوتی ہے۔"

"آپ مبالغے سے کام لے رہے ہیں پراچہ صاحب!" اس نے اپنے بلیوں اچھلتے دل کو قابو کرتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔

"بس یہ بھی تو تمہاری جیسی خواتین کی ایک خاص خوبی ہوتی ہے۔ جہاں موقع ہو' ضرورت پڑے' بے نیاز ہو گئیں۔ اپنے زرہ بکتر میں چھپ کر بیٹھ گئیں۔ اور ان کی یہ ادا تمہیں معلوم ہے کہ ان کی قدر و قیمت بڑھا دیتی ہے۔ اس ادا پر مردوں کی صنف زیادہ جان دیتی ہے۔" پراچہ نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو' ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس نے اپنے دل میں بھرپور تائید کرتے ہوئے اپنی پلیٹ میں موجود چاولوں سے اورنج پیس نکال کر کھاتے ہوئے سوچا' اور چہرے پر ایک مخصوص سا تاثر اوڑھ کر بولی۔

"مجھے معلوم نہیں، میری معلومات ناقص ہیں۔ ہوتا ہوگا ایسا ہی مگر میں ایسا دانستہ نہیں کرتی اگر کسی کو میری شخصیت میں ایسی کوئی جھلک نظر آتی ہے تو یقین جانیے کہ یہ قدرتی ہے، میں شخصیت کے مختلف رنگ نمایاں کرنے کے معاملے سے بالکل نابلد ہوں۔"

"اور یہ ایک اور ادا ہے۔" پراچہ نے قہقہہ لگایا۔ "اور سب سے خوبصورت ادا ہے۔ کچھ خواتین اتنی کمپوزڈ ہوتی ہیں کہ اندرونی جذبات کا ایک ہلکا سا بھی عکس ان کے چہرے پر ڈھونڈنے سے بھی دکھائی نہیں دیتا۔ ویل ڈن مرینہ سلمان! میں پیشن گوئی کرتا ہوں کہ تم آگے جاؤ گی بہت آگے، کامیابی کی چوٹی پر پہنچے کھڑے ہم جیسے لوگوں کو ویو کرنے کے لیے..."

☼ ☼ ☼

"یہ اچھا ہے بہت اچھا۔"

سلمان نے فائنل سمسٹر میں اس کی کامیابی پر اسے ننھے ہیروں سے مزین ایک چھوٹا سا لاکٹ تحفے میں دیا تھا۔ ان کی شادی کو نو سال گزر چکے تھے۔ حالات نے وقت کی سرعت کے ساتھ تیزی سے شکل بدلی تھی۔ سلمان کو ایک اچھی پرائیویٹ کمپنی میں جاب مل گئی تھی۔ اس کی تنخواہ پرکشش تھی اور گھر، گاڑی فون جیسی مراعات بھی حاصل تھیں۔ وہ پنڈی سے لاہور شفٹ ہو چکے تھے۔ مرینہ کی اماں جنہیں وہ گاؤں میں تنہا چھوڑ آئی تھی۔ اس کے چچاؤں سے مختلف مقدمات میں کئی سال الجھے رہنے کے بعد ایک دن عدالتی جنگ کا فیصلہ ہونے سے قبل ہی زندگی کی جنگ ہار گئی تھیں۔

وہ سب کچھ جسے بچانے کے لیے انہوں نے مرینہ کی زندگی کو ایک نئے راستے پر لے جا کر کھڑا کر دیا تھا۔ اور الجھنوں کے نئے باب اپنے لیے کھول لیے تھے۔ بڑی آسانی سے چچاؤں کے قبضے میں چلا گیا۔ مصلحت اندیش خالہ نے بیٹے بہو کو کسی بھی پھڈے بازی کی اجازت نہیں دی تھی اور یوں اس کا اس گاؤں سے واجبی سا تعلق بھی ختم ہو گیا تھا۔ مرجان منج خالو بھی لاہور شفٹ ہونے سے پہلے دنیا چھوڑ گئے اور اب خالہ کا دم غنیمت تھا جو ان کے ساتھ ہی رہتی تھیں۔

"تمہارا الیکو پرفیکٹ ہے۔" سلمان نے ہیرے کے لاکٹ کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ان بچوں کی پیدائش نے بھی تم پر کچھ اثر نہیں چھوڑا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم دن بدن زیادہ نکھرتی جا رہی ہو۔ میں خود کو خوش قسمت سمجھوں یا نہ سمجھوں۔"

"تمہارے منہ سے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔" مرینہ نے اس کی طرف سے رخ موڑتے ہوئے کہا۔ "ستائش کا یہ انداز مجھے کچھ زیادہ نہیں بھاتا۔ فگر کی تعریف کا کوئی فائدہ نہیں اس کو تو ڈھل ہی جانا ہے۔ شکل و صورت بھی وقت کے ساتھ پہلے جیسی نہیں رہتی۔ کچھ اور نہیں ہے جس کی تعریف کی جا سکتی ہو۔"

وہ بے اختیار ہنس دیا۔ "تمہیں معلوم ہے میرے یہ الفاظ بناوٹی ہیں۔ میں نے سنا تھا کہ عورت اسی قسم کی باتوں سے خوش ہوتی ہے۔ خوبصورتی کی تعریف اس کے لیے گولڈ میڈل کا سا درجہ رکھتی ہے۔ ورنہ تم خوب جانتی ہو کہ وہی چیز جس کی تعریف کی جانی چاہیے میرے لیے سب سے زیادہ اہم ہے۔ تمہاری سیکریفائسنگ اسپرٹ (قربانی کا جذبہ) تمہارا عزم، حوصلہ اور جدوجہد جس کا سہرا تمہاری ذہانت اور قابلیت کو جاتا ہے۔"

ان گزرتے سالوں میں نجانے کیوں پہلی مرتبہ مرینہ کو سلمان کی باتوں سے کوفت اور الجھن سی محسوس ہوئی۔

"ذہانت، قابلیت، قربانی، عزم، حوصلہ۔" اس کی روح پھڑپھڑائی۔ "کسی کی ذات پر آپ کو مکمل اختیار حاصل ہو جائے اور آپ اس کو اپنی پسندیدہ سان پر ایک عرصہ رگڑتے رہیں تو وہ ویسی ہی شکل اختیار کر جائے گی جس کا نقشہ آپ کے ذہن نے تیار کر رکھا تھا۔" اس نے لاکٹ گلے سے اتارتے ہوئے جھنجلائے ہوئے انداز میں سوچا۔

"میری کسی بھی قابلیت کو سہرے باندھنے کا شوق نہیں۔" اس نے جھنجھلا جانے کے باوجود نرمی سے کہا۔ "مجھے جاب مل رہی ہے' اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"جاب کرنے سے کوئی فرق مجھے تو ہرگز نہیں پڑے گا' لیکن امی نہیں مانیں گی۔ اب انہیں ایک گھر ہستن بہو دیکھنے کی آرزو ہے۔"

"ہیل وو۔" گاؤدی' ہونق' اپنی دنیا میں مگن رہنے والی سے ایک پڑھی لکھی ویل گروم لڑکی میں بدل جانے والی لڑکی دل میں چلائی۔

"گرہستن بہو' ہونہہ! اُس نے ناک سکوڑی۔

"اتنے سال مجھے دودھاری تلوار پر چلاتے رہے یہ لوگ' پڑھو لکھو بھی' گھر گھر ہستی بھی سیکھو۔ خالہ کو خوب معلوم تھا کہ مجھے انڈا تلنا بھی نہیں آتا۔ انہوں نے میرے والا گھونٹ پھر بھی بھرا۔ کڑوا' میٹھا مجھے معلوم نہیں انہیں کیسا لگا' لیکن جب پی لیا تو تھو تھو یا ہپ ہپ کرتے دس بار سوچنا چاہیے تھا انہیں۔ مگر انہوں نے اتنے سالوں میں دونوں ہی کام کیے۔ پڑھایا بھی اور گرہستی بھی سکھائی۔ وہ نمبروں' اعداد و شمار اور بریانی مسالوں' کوفتہ پلاؤ' بل دار پراٹھوں کے درمیان توازن قائم رکھنے کی کوشش میں سرپٹ بھاگتی رہی تھی۔ مگر اب وہ وقت تھا جس میں وہ کچھ فیصلہ خود بھی کرنے کا حوصلہ اپنے آپ میں محسوس کر رہی تھی۔ ٹھیک تھا اس نے احسان مندی کے جذبے کے تحت بہت کچھ کیا تھا ان لوگوں کے لیے مگر اب اپنی زندگی گزارنے کا وقت آچکا تھا' اس نے اپنے دل میں فیصلہ کرلیا تھا۔

"ضروری تو نہیں کہ پڑھ لکھ کر نوکری کی جائے' پڑھنا لکھنا شخصیت کے نکھار اور اس کی خوبصورتی کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ نوکری تو مجبوری کا سودا ہونی چاہیے۔" ان گزرتے سالوں میں پہلا اختلاف سلمان کی بات نے ان دونوں میں پیدا کیا۔

"ذریعہ معاش کا حصول مردوں کی مردانگی قائم رکھنے کا ذریعہ ہے تو عورتوں کی نسائیت کس ڈھنگ سے اجاگر ہونی چاہیے۔" مرینہ نے مڑ کر پرفیوم کی بوتل کا ڈھکن لگاتے ہوئے کہا اور ایک نظر اٹھا کر سامنے آئینے میں نظر آتے سلمان کے عکس کو دیکھا۔

ایک آسودہ حال گھر بسانے میں' ایک نسل کی تربیت میں' ایک پرسکون ماحول کی تخلیق میں۔" آئینے میں سلمان کے نہیں ایک ماچو مین کے ہونٹ ہلتے دکھائی دیے۔

"تو پھر اس ساری ریاضت اور تگ و دو کی کیا ضرورت تھی باجی داوے؟" مرینہ نے بے اختیار مڑ کر اس کی آنکھوں میں براہ راست آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"کیا میری ماں' اور تمہاری ماں اس خاندان کی ساری مائیں۔ فنانس میں ایم بی اے کرنے کے بعد گھر بسانے بیٹھی تھیں؟ کیا ایک آسودہ حال گھرانے کی عورت کے دوپٹے کی کنی میں ایک بڑی ڈگری کا بندھا ہونا بھی شرط ہے۔ کیا پہلے اس خاندان میں آسودہ حال گھر نہیں بسے نسلوں کی تربیت نہیں کی گئی؟ پرسکون ماحول تخلیق نہیں ہوئے؟"

وہ چلا کر بولی تھی اور اس نے ہاتھ میں پکڑی پرفیوم کی شیشی کو بھی گھما کر سامنے دیوار پر دے مارا تھا۔ کمرے میں کرچیاں بکھر گئی تھیں اور شہنل کی خوشبو ہر سو پھیل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اس کی ماں بھی ایسی ہی اتھری تھی۔" یہ اس کی خالہ اور ساس کا فرمان تھا۔ "اس نے تو صرف میٹرک ٹی ٹی سی کیا تھا پھر بھی اتراہٹ اور غرور کا کوئی عالم نہ تھا' آخر میں انجام دیکھا اس کی خودسری کا۔"

وہ کسی نادیدہ واقف حال سے سوال کرتے ہوئے بولیں۔

"اس کا تو میاں بھی تھا زن مرید' سب بہن بھائیوں' ماں' باپ کو چھوڑ چھاڑ اس کی گود میں چھپ کر بیٹھا رہا ساری عمر' اب تم سوچو' تمہاری کیا صلاح ہے؟" اب کے ان کا مخاطب سامنے صوفے پر بیٹھا ان کا بیٹا تھا جو چہرے کے آگے صبح کا تازہ اخبار پھیلا کر اس میں مگن

تھا۔

"آپ وہم نہ کریں امی! وہ کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہے۔ اتنے سال اس نے ہماری آپ کی سب کی مانی ہے۔" اس نے ان کے دوبارہ اپنا سوال دہرانے پر بادل ناخواستہ اخبار سمیٹتے ہوئے کہا۔ "اس کی ذہانت سے میں بھی واقف ہوں اور آپ بھی اب اگر اسے شوق آیا ہے نوکری کرنے کا اور آفر بھی اچھی ہے تو کر لینے دیں کچھ عرصہ یہ تجربہ بھی۔ مجھے یقین ہے۔ جلد ہی تھک کر بیٹھ جائے گی گھر۔"

"یہ ہی تو زن مریدی کی پہلی نشانی ہے۔" امی نے اس کے لہجے میں چھپی پسپائی کو بھانپ کر ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "بچوں کا خیال نہیں ہے تمہیں اور اسے، چار سال کا تمہارا بیٹا اور دو سال کی بیٹی، میں نے راتیں اور دوپہریں جاگ جاگ کر پالے۔ اس خیال سے کہ چلو کوئی بات نہیں تھوڑے دنوں کا چکر ہے پھر ماں فارغ ہو جائے گی تو اسی نے سنبھالنا ہے نا ان کو، میری تو سمجھ میں نہیں آتا مانی! مٹی تم نے بھگوئی، گوندھی تم نے، اسے شکل تم نے دی، چک پر گھما گھما کر پھر وہ چیز کیوں نہیں بنی جو تم بنانا چاہتے تھے۔"

"یہ کوئی ریت مٹی کی بے جان شے نہیں ہے ماں جی اس کے اندر روح بھی ہے، دل بھی ہے، دماغ بھی اور عقل بھی، احساسات بھی ہیں اور خواہشات بھی۔ ان سب چیزوں پر آپ ہم کیا پابندی لگائیں گے۔ رہی بچوں کی بات تو ان کی ماں کی اصل تربیت بھی تو آپ ہی نے کی تھی نا، میں تو جی بھر کر چاہوں گا کہ میرے بچوں کی تربیت بھی آپ کے ہاتھوں ہی ہو۔"

سلمان نے کہنے کو تو معاملے کو بخوبی سلجھانے کے لیے خود بھی پسپائی اختیار کر لی اور اپنی ماں کو بھی باتوں میں لگا کر وقتی طور پر خاموشی کی طرف مائل کر دیا تھا۔ مگر مرینہ کا معاملہ الٹا جا رہا تھا۔ وہ بہت سالوں بعد آہستہ آہستہ خود آگاہی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اسے اپنے متعلق نت نئے گمانوں نے اپنے شکنجے میں لے لیا تھا۔ ایک بڑے بینک میں اچھی سیٹ پر پرکشش سیلری کے ساتھ جاب جوائن کرنے کے ساتھ ہی خود سے متعلق احساس کمتری سے بھرپور اس کے کئی تصورات ختم ہونے لگے۔ اس کے ارد گرد لوگوں نے اسے اس کے متعلق نئی نئی باتیں بتانا شروع کر دیں۔

وہ خوبیاں جن کے متعلق وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اس میں موجود ہیں۔ وہ ٹیلنٹ جو چھپا ہوا تھا، وہ اعتماد جسے زبردستی دبا کر رکھا گیا تھا۔ وہ رفتہ رفتہ جاننے لگی کہ زندگی کا اصل رنگ کیا ہونا چاہیے۔ لباس ایک ایسی چیز تھی جس کے بارے میں اسے پتا چلا یہ صرف تن ڈھانپنے کا ذریعہ ہی نہیں ہوتا، یہ شخصیت کا آئینہ بھی ہوتا ہے۔ ٹرینڈز، ایک ایسا لفظ تھا جس کی تقلید ایک عام سے انسان کو بہت خاص بنا سکتی تھی۔ گفتگو کا فن، عام سی بات کو بھی کیسے خوبصورت بنا سکتا ہے اور اسٹائل وہ ہتھیار ہے جو شخصیت کو ہر دل عزیز اور ممتاز بنانے میں انتہائی معاون ثابت ہوتا ہے۔

جوں جوں وہ آگاہی کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی، توں توں اس کا دل سلمان اور خالہ سے دور ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اسے لگتا ان لوگوں نے اس کے ساتھ اتنے سال بری طرح ڈنڈی ماری تھی۔ سارے گر سکھا دیے صرف درخت پر چڑھنے کا ہنر نہیں سکھایا، وہ بھی جان بوجھ کر، وہ اسے اپنی مرضی کی سان پر ہی رگڑتے رہے۔ اسے اپنی زندگی کے ایک حصے کے زیاں کا دل سے دکھ ہوتا۔

☆ ☆ ☆

اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ اسے اپنا چہرہ مضمحل، اترا ہوا اور پریشان نظر آیا۔

"میں بے وجہ وہم کا شکار ہو رہا ہوں یا پھر جو میں سوچ رہا ہوں وہ سچ ہے؟" وہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔ کئی دن سے اپنی ڈھارس بندھا رہا تھا مگر اس کا دل کہتا تھا کہ وہ خود کو جو یقین دلا رہا تھا وہ محض فریب تھا اور جس گھر کو بنانے میں اسے کئی سال لگے تھے۔ اس گھر کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔

کچھ عرصہ پہلے تک اسے مرینہ پر افسوس ہوتا تھا جو اپنی ذہانت اور قابلیت کے باوجود وہ بن نہیں پا رہی تھی

جو اسے بننا چاہیے تھا۔ مگر اب اسے خود پر افسوس ہو رہا تھا۔ اس کی امی اسے برتن اور پانی کی مثالیں دیتے نہیں تھکتی تھیں۔ اسے والیوم اور کیپسٹی کے باب یاد آتے تھے جن میں واضح لکھا ہوتا تھا کہ کوئی برتن بھی اپنی گنجائش سے زیادہ محلول نہیں رکھ سکتا۔

مگر وہ مرینہ کو برتن نہیں سمجھتا تھا۔ اسے کسی بھی بے جان شے سے تشبیہ نہیں دیتا تھا۔ وہ اسے گوشت پوست کی زندہ اور محسوس انسان سمجھ کر اس سے ویسا ہی برتاؤ کرتا تھا جیسے اسے کرنا چاہیے تھا۔ وہ اس کی زندگی میں کسی ناخواندہ مہمان کی طرح آئی تھی مگر اس نے اسے دل سے خوش آمدید کہا تھا۔

اس کے کچھ آئیڈیلز تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ان سب کی خصوصیات ایک انسان میں اسے مجسم نہیں مل سکتی تھیں سو اس نے مرینہ کو خام مال کی طرح ہاتھ میں لے کر اپنے تمام آئیڈیلز کی خصوصیات اس میں جمع کرنے کی کوشش کی تھی اور گزرتے سالوں کے رات دن اس پر محنت کرتے گزارے تھے۔

مرینہ تو وہ بن گئی تھی جیسی وہ چاہتا تھا مگر وہ خود کہیں بہت پیچھے بہت نیچے رہ گیا تھا وہ ایک ماورائی مخلوق میں ڈھل گئی تھی اور سلمان خالد اس کا معیار نہیں رہا تھا۔

یا پھر جیسی زندگی وہ اب گزارنا چاہتی تھی، وہ سلمان خالد کے ذہن سے میل نہیں کھاتی تھی۔ جو بھی تھا۔ کہیں کچھ غلط تھا۔ بہت غلط۔ اور اس غلط کو صحیح کرنے کا گر سلمان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"گنی پگ" اس نے نیشنل جیوگرافک پر ایک دستاویزی فلم دیکھتے ہوئے دل میں دہرایا۔ "سلمان اور خالہ نے مجھے بھی گنی پگ کی طرح پالا۔ جو دل چاہا۔ مجھ پر تجربہ کرلیا۔ اور یہ بہت غلط کیا۔"

اس کے دل کی بے چینی بڑھ گئی اور اس نے اپنے گردوپیش پر نظر ڈالی۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ قیمتی فرنیچر اور سامان آرائش سے سجا کمرہ۔ اس کے ایک سائیڈ پر ڈائننگ ٹیبل رکھی تھی جس کے ساتھ ہی کچن تھا۔ جدید کچن کام کرنے کی ہر سہولت سے مزین۔ یہ سارا سامان، کچن کی تمام کراکری، ہوم اسیسریز سب اس کی مرضی اور پسند سے خریدی گئی تھیں۔ مگر اس کی مرضی کہاں تھی۔ اسے یک دم ہی محسوس ہونے لگا تھا کہ اس کی اب تک کی جتنی زندگی تھی سب کی سب اس کی مرضی کے خلاف گزری تھی۔

وہ سب کام بھی جو بظاہر اس نے اپنی مرضی سے کیے تھے۔ دراصل لاشعوری طور پر دوسروں کو خوش رکھنے کی کوششیں تھیں۔ اس کے ذہن پر منفی سوچوں کا نزول ہوا تو کچھ عرصہ پہلے جس بنے بنائے گھر کی ملکیت کا اسے دعوا تھا۔ اس کی ملکیت اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اسے بھولنے لگا کہ اس گھر کے مکینوں نے اسے وقت کے کس نازک موڑ پر ایسا سہارا فراہم کیا تھا جس کا نہ ہونا اس کی زندگی کو ہمیشہ کے لیے تاریکیوں میں گم کردیتا۔ اسے بھولنے لگا کہ اس گھر میں وہ صرف کسی کی بہو اور کسی کی بیوی ہی نہیں تھی۔ اس گھر میں اس کی ایک حیثیت اور ہی تھی۔ وہ حیثیت ایک ماں کی تھی۔ وہ دو بچے جن کے بارے میں پہلے وہ بات کرتے ہوئے ہنستی تھی اور کہتی تھی۔

"صرف انہیں پیدا کرنے کا جرم مجھ سے سرزد ہوا، دراصل تو یہ خالہ کے بچے ہیں۔ انہیں جن کے حوالے کرکے میں دوبارہ کالجوں، یونیورسٹیوں کی دنیا میں گم ہوجاتی تھی۔"

جب اس نے فائنل سمسٹر کلیئر کیا اس وقت اس کا بیٹا چھ سال کا اور بیٹی چار سال کی تھی اور دونوں ہی اسکول جاتے تھے۔

"لو بیٹا! اب یہ تمہاری امانتیں تمہارے حوالے، سب کچھ تو اب تک میں نے دیا مگر ممتا کی جو مہک اپنی ماں دے سکتی ہے۔ وہ میں نہیں دے سکی اور اسی سے یہ بچے محروم ہیں۔"

خالہ نے دونوں بچے اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا تھا اور اس وقت اس نے یہ فیصلہ بھی کیا تھا کہ اب وہ اپنی ممتا کو پریکٹیکل مائنڈ میں تبدیل کردے گی۔ مگر شاید اس کا وقت آنا ہی نہیں تھا۔ شاید یہ سعادت خالہ ہی

کے حصے میں لکھی گئی تھی۔ شاید ان بچوں کے ذہنوں میں ماں کا صرف ایک تصور' ایک ہیولہ ہی باقی رہ جانا مقدر تھا۔ اسی لیے جب وہ وقت آیا جس کا خالہ اور سلمان کو انتظار تھا یعنی گھر گرہستی چلانے والی ایک تعلیم یافتہ' منظم عورت کا گھر میں وجود جو کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہوتی۔ اسی وقت مرینہ سلمان پر بہت سی حقیقتیں آشکارا ہونے لگیں اور آگاہی کے نئے در وا ہونے لگے۔

☼ ☼ ☼

"میری مصروفیات' میرے مشغلے' میرے اوقات کار اور میری سوچیں سلمان کے اعصاب پر سوار ہونے لگیں۔"

اس نے متورم آنکھیں سامنے دیوار پر لگے منقش فریم میں جڑے آئینے میں دیکھتے ہوئے آئینے میں نظر آتی اپنی شبیہہ کو مخاطب کیا۔

"جاب ایسی تھی جس میں سخت محنت درکار تھی۔ اور بے شمار وقت پاؤں جمانے کے لیے۔ اس کا تقاضا ایک جدید عورت تھی' خوش شکل' خوش لباس اور خوش گفتار رفتہ رفتہ یہ سارے گر مجھے سیکھنے پڑے اور مجھے آتے بھی گئے۔ ذہین تو میں ہمیشہ سے ہی تھی نا!" اس نے ایک طنز بھری مسکراہٹ اپنی شبیہہ کی طرف اچھالتے ہوئے سوچا۔

"پھر یوں ہوا۔" وہ جیسے کسی کو کوئی کہانی سنا رہی تھی۔ "کہ سب کچھ الٹ پلٹ ہو گیا۔ ہماری سوچیں' ہمارے مسائل' ہماری خوشیاں' ہمارے مزاج سب کچھ' میں آگے۔ آگے بہت آگے جانے کی خواہش دل سے نہیں نکال سکی اور میری اس سوچ کے ہر پہلو کی آواز پر سلمان "نہیں' نہیں' ہرگز نہیں' چلانے سے خود کو روک نہیں سکا۔ بڑی روایتی سی کہانی ہے۔" وہ ایک بار پھر طنز بھری مسکراہٹ کے ساتھ خود کو دیکھ رہی تھی۔

"کتنا طویل عرصہ تھا زندگی گزارنے کا طریقہ سیکھنے کا' ایک طرف پڑھائی دوسری طرف گھرداری۔ کھلونے کھیلنے کا زمانہ تو بہت پیچھے کہیں۔ بہت ہی پیچھے رہ گیا تھا۔ زندگی کے گھوڑے میرے ارد گرد ناچنے لگے تھے اور انہیں اپنے قابو میں رکھنے کا طریقہ سکھانے کے لیے کسی بنتو اوڈھنی نے آگے بڑھ کر میری مدد نہیں کی۔ میں سلمان اور خالہ کا معیار بننے کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ گئی تھی اور ان کا معیار بنتے بنتے میں سلمان اور خالہ دونوں کو ہی بہت پیچھے چھوڑ گئی۔

"میں خواہشات کے انقلاب کا شکار ہو گئی مرینہ سلمان جسے صحیح معنوں میں مسز مرینہ سلمان بننے کا شرف حاصل ہوئے تھوڑا سا عرصہ ہی گزرا تھا اس دنیا پہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئی کہ وہ ایک بلند شخصیت کی مالک ہے۔ تجربہ گاہ میں بنے گنی پگ' کو موسٹ اسٹائلش لیڈی کا خطاب دیا جانے لگا۔ اس کے انداز و اطوار کو معیار قرار دیا جانے لگا۔ اسے تعریف سننے کی عادت سی ہونے لگی اور اس جال میں پھنس کر وہ مدہوش ہوتی چلی گئی۔

"دو بچوں کی ماں تو بہت دور کی بات ہے' تم تو سرے سے شادی شدہ ہی نہیں لگتی ہو۔" کسی نے اس سے کہا اور یہ درست بھی تھا۔

"ارے! تم نے اتنی آسانی سے اپنا آپ دوسروں کی مرضی کے حوالے کر دیا۔" یہ تبصرہ شازیہ نے کیا تھا جو پروفیشنل لائن میں اس کی قریب ترین کولیگ تھی۔

"کسی کو کیا حق پہنچتا تھا تمہارے ساتھ ہونے والی ٹریجڈیز کو اس طرح ایکسپلائٹ کرنے کا۔" اس نے اس کی پوری کہانی سننے کے بعد کہا تھا۔

"میری اماں نے خود اپنے ہاتھوں سے مجھے ان کے حوالے کیا تھا۔" اس نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

"تو کیا ہوا؟" وہ خفگی سے بولی "نہیں کیا حق پہنچتا تھا تم سے قربانی اور ایثار کی تاریخیں رقم کروانے کا۔ اور تم اب ہی دیکھ لو' تم ایک ایسے راستے پر کھڑی ہو' جہاں سے آگے کا سارا منظر روشن اور شاندار ہے اور تم کہتی ہو کہ تمہارا شوہر اور تمہاری ساس تمہارے جاب کرنے کے خلاف ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم سب

کچھ چھوڑ کر ہانڈی چولہا سنبھال لو' کتنی خود غرض ہے تمہاری ساس' تم پر احسان جتا کر بھی جھنڈے اپنے نام کے گاڑ لیے اور اب تمہاری مثالیں دے کر مظلومیت کی علامت بن کر رہنے کی تیاریوں میں ہیں۔ میں تمہیں الرٹ سگنل دے رہی ہوں مرینہ' ان لوگوں کے عزائم سے ہوشیار رہنا۔ یاد رکھنا کہ بچے' شوہر' گھر' گھرداری ایک عام سی چیز ہے جو 90 فیصد خواتین کی دسترس میں ہے۔ ایک شاندار کیریئر' شاندار زندگی جو تمہاری منتظر ہے' وہ کسی کسی کو ہی ملتی ہے۔ اسے ہاتھ سے گنوانے کی حماقت مت کرنا۔ عمر بھر پچھتاؤ گی۔"

ایک طرف یہ دلکش باتیں اور خوش آئند نظارے تھے' دوسری طرف گھر میں آئے دن ان کی چخ چخ اور ٹینشن۔ خالہ اس سے دو ٹوک بات کرتیں۔

انہوں نے اس پر اتنے سال محنت یوں ہی نہیں کی تھی۔ اتنی مشقت تو سگی ماں بھی نہ کرتی ہوگی۔ اتنا ساتھ دینے کا حوصلہ تو سگی ماں کو بھی نہ ہوتا۔ اس کی زندگی سنوارنے اور عملی زندگی میں اس کو ایک رول ماڈل بنانے کا عمل کتنا مشکل تھا۔ وہ کہاں کہاں تھکیں' وہ کہاں کہاں آبلہ پا ہوئیں اب انہیں سب یاد آنے لگا تھا۔ انہیں اپنے بیٹے کی وہ ساری انویسٹ منٹ بھی یاد آتی جو اس نے مرینہ کو ایک مثالی عورت بنانے کے لیے کی تھی۔ اس لیے نہیں کہ وہ پیسہ کما کر اس انویسٹ منٹ کو دگنا کردے۔ وہ اسے پرافٹ ایبل اینٹٹی نہیں بنانا چاہتا تھا۔ ایک کم عمر' کم پڑھی لکھی لڑکی کو جدید ترین تعلیم دلوا کر اپنے گھر اور اپنی نسلوں کے لیے ایک مضبوط بنیاد اور ایک روشن مستقبل کی ضمانت فراہم کرنا چاہتا تھا۔

انہیں سعدان اور نانیہ کی زندگی کی فکر لاحق رہنے لگی تھی۔ جن بچوں کی ماں کے منہ کیریئر لگ جائے۔ ان کی پرورش اور تربیت کون کرے۔ ان کی زندگی سنوارنے کا ذمہ دار کون ہے؟"

وہ ان خیالات کا اظہار اٹھتے بیٹھتے کرتیں۔ سلمان کے کانوں میں بھی اپنے بھاشن ڈالتی رہتیں۔

سلمان الجھنے لگا تھا۔ اس نے ایک بار بھی نہیں چاہا تھا کہ مرینہ آٹھ سے پانچ بجے تک کی کسی ایسی نوکری میں پھنس جائے جس کی ذمہ داریاں پانچ بجے کے بعد اور بھی سوا ہو جائیں۔ ایگزیکٹو میٹنگز' ایگزیکٹو ڈنرز' میل ملاقاتیں' پارٹیز' سیمینارز' وہ دن بدن زیادہ سے زیادہ مصروف ہوتی جارہی تھی۔ دوسری طرف شاید وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ مرینہ کو اتنا پابند کردے کہ اس کے سیکھے سکھائے کو ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہونے لگے۔

سلمان دوراہے پر کھڑا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ سعدان اور نانیہ کو ابھی بھی اس کی ماں ہی سنبھالتی تھیں۔ گھر اور کچن کو بھی وہی دیکھتی تھیں۔ اگرچہ گھر میں کام کرنے کے لیے ملازم موجود تھے مگر ان کی نگرانی کرنا بھی ایک کام تھا۔ اس کی امی نے سلیقہ اور سمجھ داری کے ساتھ عمر گزاری تھی اور گھر چلایا تھا۔ انہیں اپنے گھر میں یہ ماحول اور طریقہ کیسے پسند آسکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم ایک بار جب ہمارے گھر آئے تھے تو تم ہمارے گاؤں کی روٹین میں یوں رچ بس گئے تھے جیسے سدا سے وہیں رہتے رہے ہو۔ تمہیں یاد ہے کہ تم نے میرے کب کب کے جمع کیے کھلونے' میرے گھگھو گھوڑے اور بھس بھرے جانور توڑ دیے تھے اور میں کتنا روئی تھی۔"

ایک شام جب وہ فارغ تھی اور گھر میں تھی اس نے بچوں کو ہوم ورک میں مدد دینے کی سعادت حاصل کرنے کے بعد سکون سے بیٹھے بیٹھے سلمان کو یاد دلایا تھا۔

جواب میں سلمان نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔ مگر اس شام مرینہ نے پہلی مرتبہ سلمان کی نظروں میں کچھ ایسا دیکھا تھا جو نامانوس تھا۔ شاید ان نظروں میں شکوہ تھا۔ کوئی یاد تھی' یا ایک شکست کا سا احساس۔ مرینہ کو سلمان کی وہ نظریں عرصہ تک نہیں بھولیں۔

"تم نے مجھ پر اتنی محنت کیوں کی سلمان؟" ان نظروں سے گھبرا کر اس نے ایک بے تکا سا سوال پوچھ

ڈالا۔

"تمہاری شخصیت کو سنوارنے کے لیے۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"وہ تو عام سی گریجویشن کے ساتھ بھی سنور جاتی۔ پروفیشنل ایجوکیشن دلوانے کا کیا مقصد تھا؟" اس نے بحث کی۔

"ایسے کام بغیر مقصد کے اندھا دھند نہیں کیے جاتے مرینہ خانم!" اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"یہی تو پوچھ رہی ہوں کہ کیا مقصد تھا۔"

"تاکہ زندگی میں کسی بھی غیر متوقع کرائسس میں تم بے دست و پا نہ رہ جاؤ۔ تمہارے ہاتھ میں کچھ ایسا ہو جس کی بنا پر تم اپنی زندگی کو غیر محفوظ نہ سمجھو۔" سلمان نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ "میں نے کچھ بھی پلاننگ کے بغیر نہیں کیا تھا۔"

"مگر تمہاری پلاننگ صرف ڈگری کے حصول تک کیوں رہی سلمان! اس سے آگے بہت آگے تک ہی تو اصل میدان تھا۔"

"میرا خیال تھا کہ امی کی تربیت اور گھر کا ماحول کم از کم میری زندگی میں تو تمہیں اس میدان کا امیدوار نہیں بننے دے گا۔ لیکن شاید یہ میری غلط فہمی تھی۔" سلمان کے لہجے میں مایوسی اور اداسی عود کر آئی تھی۔

"میل شاؤنزم!" اس نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا "سلمان خالد! تم بھی اس معاشرے کے بہت سے ماچوئین macho man کی طرح لیڈ کرنے کے قائل ہو۔

to be led by a lady کا کانسیپٹ تمہیں ہضم نہیں ہو پا رہا۔ نہ ہی کبھی ہو گا۔ یو آر سمپلی اے مامازبوائے

جو تمہارے کان میں وہ پھونکیں گی۔ تم وہی سوچو گے۔ وہی کرو گے۔"

"کبھی قرآن کو ترجمہ سے پڑھنے کی کوشش کی تم نے۔" خالہ جو ڈائننگ روم کی سائیڈ بورڈ میں برتن رکھ رہی تھیں۔ یہ بات سن کر ادھر آ گئیں "سورۃ النساء کو آج رات ترجمہ کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کرنا' تمہیں خود ہی سمجھ میں آ جائے گا کہ میل شاؤنسٹ کیا ہوتا ہے۔ ماچوئین کون ہے اور یہ ماں کا پھونکا ہوا ہے کہ خدائی حکم۔"

"واہ واہ" مرینہ نے ان کی بات سن کر تالیاں بجائیں "جہاں کسی بات کے حق میں کوئی دلیل نہیں سمجھ میں آتی وہاں قرآن پاک کی مثالیں دینے پر اتر آتے ہیں لوگ۔ میں آج جو بھی ہوں نا خالہ! آپ کی اور آپ کے بیٹے کی خواہشات کا عکس ہوں۔ حقیقت یہ نہیں ہے کہ آپ کو میرے کیریئر سے چڑ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو اس دقیانوسی احمق سی لڑکی کی موت کا دکھ ہے جسے آپ جیسے چاہتی تھیں چلاتی تھیں۔ کسی روبوٹ کی مانند جس کا ریموٹ کنٹرول آپ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ روبوٹ اپنے مشینی کل پرزے اتار کر جیتا جاگتا انسان بن گیا۔ تو آپ کو خدا یاد آنے لگا اور خدائی احکامات بھی۔"

"ہمیں خدا ہی تو یاد تھا جو یوں چوں چرا کیے بغیر تمہیں سر آنکھوں پر بٹھا کر اپنے گھر لے آئے تھے بنا یہ سوچے کہ تم ہمارے گھر کے ماحول میں ایڈجسٹ بھی کر پاؤ گی یا نہیں۔" خالہ چمکنے لگیں۔

"اور پھر اس احسان کی مار مارتے عمر گزار دینے کا عہد کیا۔" مرینہ کا پارہ چڑھنے لگا تھا اور اسے بھول رہا تھا کہ وہ کس سے مخاطب تھی۔

"اور تم ٹھہریں اسی خاندان کی بیٹی جس نے میری بہن کو خون تھکوایا۔" خالہ نے ناجائز سنائیں۔

"میں پنچ' میرا خاندان پنچ' احسان فراموش' خود غرض' سفید خون۔" مرینہ چلائی۔

"اب میں آپ کو ثابت کر کے دکھاؤں گی کہ پنچ کیا ہوتا ہے۔ احسان فراموش' خود غرض اور سفید خون کسے کہتے ہیں۔" اس کا دماغ الٹنے لگا۔ "وہ پیسہ سلمان صاحب! جو آپ نے میری تربیت' اور تعلیم' پر لگایا' میں کما کر آپ کو واپس کر دوں گی۔ مجھے میری شخصیت واپس کر دیں۔ پلیز۔"

"بات کو خوامخواہ الجھاؤ اور بڑھاؤ نہیں مرینہ اور امی آپ بھی۔" سلمان نے بات بگڑتے دیکھی تو کچھ کہنے کی کوشش کی۔ "جو بات صلح صفائی محبت پیار سے سیٹل ہو سکتی ہے اس پر جھگڑا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

مگر اس نقار خانے میں اس کی کون سننے والا تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ خالہ بھانجی کی تو تکار ہوئی جو رشتے ختم کر دینے پر منتج ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

When we were kids we could not wait to grow up now that we grownup we realize that broken toys and wounded knees were better than broken hearts and wounded emotions

(جب ہم چھوٹے تھے، ہمیں بڑے ہونے کا انتظار کرنا مشکل لگتا تھا۔ لیکن اب جبکہ ہم بڑے ہوگئے تو ہمیں احساس ہوا کہ ٹوٹے کھلونے اور زخمی گھٹنے، ٹوٹے دلوں اور زخمی جذبات سے بہتر تھے۔)

مرینہ نے سادے کاغذ پر لکھے یہ الفاظ اس عرصے میں کتنی بار پڑھے تھے، اسے ڈھنگ سے یاد نہیں تھا۔ یہ الفاظ اسے سلمان نے لکھ کر بھجوائے تھے۔ اور جب اس نے انہیں پہلی مرتبہ پڑھا تھا۔ اسے احساس ہوا تھا کہ سلمان نے اسے اس روز والی بات کا جواب اب دیا تھا۔ وہ بات جو اس نے سلمان کے ہاتھوں اپنے کھلونے ٹوٹنے کو یاد کرتے ہوئے کی تھی۔ اور اسے یقین ہوگیا کہ اس روز بھی سلمان کی نظروں نے اسے ایسا ہی جواب دیا تھا۔

"ٹوٹے کھلونے اور زخمی گھٹنے، ٹوٹے دلوں اور زخمی جذبات سے بہتر تھے۔"

وہ ایک شاندار مستقبل کے حصول اور اپنی خداداد صلاحیتوں کے مکمل اظہار کے لیے سلمان اور خالہ کا گھر چھوڑ آئی تھی۔ وہ سعدان اور تانیہ کو بھی چھوڑ آئی تھی کیونکہ اسے لگتا تھا کہ وہ کبھی بھی ایک اچھی ماں بن ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ انہیں سرد راتوں کے طویل انتظار سے بچانا چاہتی تھی۔ وہ انہیں اس مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی جو اس کے ساتھ چلے آنے میں ان کا مقدر بن جاتی، اس لیے اس نے اپنی ممتا کا گلا گھونٹ دیا۔

اس نے جو ایک نیا جہان دریافت کیا تھا، اس کے مکینوں نے اسے باور کروایا تھا کہ اسے اپنی خالہ کی 1947ء والی سوچ اور سلمان کے میل شاونزم (مردانہ حاکمیت) سے نجات پا کر ہی اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کا اصل موقع مل سکتا تھا۔ سو اس نے "عورت کے استحصال" قسم کے سیمینارز سے جو سیکھا اور سمجھا، اس کے تحت خود کو ان چاروں سے علیحدہ کر کے اپنا الگ تشخص بنانے کی تگ و دو میں مصروف ہوگئی۔

وہ بلاشبہ ذہین تھی، اسے کام کرنا آتا تھا، اپنے علم کو مصرف میں لانے کا ہنر جانتی تھی، اسی لیے جس مستقبل کی خاطر وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نکل آئی تھی، وہ اس کے ہاتھ میں وقت سے پہلے آنے لگا تھا۔ اس کی لگن اور جستجو پروموشنز (ترقی) حاصل کرنے کی طرف مبذول ہوگئی تھی اور اس نے تھوڑے وقت میں کامیابیوں کے کئی جھنڈے گاڑ لیے تھے۔ اس کی آمدنی بڑھی، کثیر پیسہ ہاتھ آنے لگا لائف اسٹائل بدل گیا۔ وہ ایک اچھا لگژری اپارٹمنٹ شازیہ کے ساتھ شیئر کرتی تھی، ڈیزائنر کلاتھ پہنتی تھی۔ تھوڑے وقت کے بعد بیرون ملک کوئی ٹور اس کے ہاتھ آجاتا، وہ جس ایگزیکٹو سیٹ پر پہنچ گئی تھی، وہاں آسائشات اس کا مقدر بننے لگی تھیں۔ وہ اپنی نئی دنیا میں اتنی مصروف اور گم ہوگئی کہ اسے کم ہی کبھی خیال آتا، وہ پیچھے کیا چھوڑ آئی تھی۔

اس کی میل ملاقاتیں بڑھ گئیں۔ حلقۂ احباب وسیع ہوگیا۔ نت نئے طبقہ فکر کے لوگوں سے تعلق بن گئے اور اسے اکثر احساس ہوتا کہ ایک عرصے تک اس نے کیسی کنوئیں کے مینڈکوں جیسی زندگی گزاری

تھی۔ ایسے میں اسے بھول کر بھی کبھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ اسے اس نئی زندگی تک انگلی پکڑ کر لانے والے کون لوگ تھے۔

☼ ☼ ☼

"تم نے سلمان سے ڈائیورس (طلاق) کیوں نہیں لی؟" کینڈل لائٹ میں اس کے کم نمایاں چہرے کے مدھم سے خدوخال کو دیکھتے ہوئے برہان نے کہا۔

"ڈائیورس۔" مرینہ کے ہاتھ میں پکڑا کانٹا فرائیڈ پران کو مس کر گیا۔ "میں کیوں لیتی اس سے ڈائیورس؟"

"کیوں لیتی والی کیا بات ہے اس میں؟" برہان نے دلچسپی سے اس کے ردعمل کو دیکھا۔ "جب تم اس وجہ سے اسے چھوڑ آئیں کہ تمہارے اور اس کے درمیان انڈر اسٹینڈنگ نہیں تھی اور وہ اتنا کمزور تھا کہ زندگی کے ایک اہم معاملے میں تمہارا ساتھ تک نہ دے سکا تو پھر یوں اس کے نام سے منسلک رہنے کا کیا مقصد ہے؟"

"مقصد!" مرینہ سے ایسا ٹیڑھا سوال اب تک کسی نے نہ پوچھا تھا۔ "مقصد کچھ بھی نہیں۔" وہ جیسے بڑبڑائی۔

"کیا سلمان اب تک یعنی ان تین سالوں میں یونہی بیٹھا ہے۔ اس نے اپنا گھر دوبارہ نہیں بسایا؟" سلمان نے ایک اور سوال کیا۔ یہ سوال بھی اب تک کسی نے مرینہ سے نہیں پوچھا تھا۔

"میں نے یہ جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی۔" مرینہ کو یہ سوال بھی چبھا تھا' وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ سلمان اس کے علاوہ بھی کسی اور لڑکی کو گھر میں بسا سکتا تھا۔ "اس کی والدہ کے ہوتے ہوئے گھر میں کسی اور کی ضرورت کیا ہے۔"

"ایسا ممکن نہیں۔" برہان مسکرایا۔ "انسان کے فطری اور جبلی تقاضے اسے گھر بسانے کی طرف لے جاتے ہیں ہم کن تصورات میں گم ہو؟"

اس نے یہ تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا' اسے تو سلمان سے صرف علیحدگی چاہیے تھی۔ دنیا میں کوئی ایسا شخص تو تھا نہیں جس کے لیے اس نے سلمان کا گھر چھوڑا تھا' اسی لیے اسے خیال ہی نہیں آیا تھا کہ سلمان اپنے گھر کو جڑا ہوا سمجھ کر کسی اور کو اس میں بسا لے گا۔

"اور اگر ایسا ہوا تو تمہاری فیلنگز کیا ہوں گی؟" برہان نے یہ سوال شاید دانستہ کیا تھا۔ مرینہ کے دل نے ایک دھڑکن مس کر دی۔ یقیناً اس لمحے کا اثر اس کے چہرے پر بھی آیا ہو گا۔ جب ہی برہان نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے اپنے ڈرنک کا گلاس لبوں سے لگا لیا۔

مرینہ کا ذہن ایک نئی الجھن کا شکار ہو گیا' وہ تو اپنے تئیں سلمان کو ایک نہ ختم ہونے والے پچھتاوے میں مبتلا کر دینا چاہتی تھی۔ وہ اسے اس دکھ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ اس نے اپنی کمزوری اور اپنی ماں کی ضد کے ہاتھوں اسے گنوا دیا مگر برہان نے اسے ایک نئے وہم میں ڈال دیا تھا۔

اس نے برہان پر ایک نگاہ ڈالی۔ وہ ایک عمر امریکا میں گزارنے کے بعد لوٹا تھا' وہ تقریباً" چالیس بیالیس سال کا ایک گریس فل (باوقار) مرد تھا۔ وہ اسی کنزیومر سوسائٹی کا ایک پرکشش رکن تھا جس کے لیے مرینہ نے سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ برہان اسے ایک فیشن شو میں ملا تھا اور اسی پہلی ملاقات میں ان دونوں کے درمیان ذہنی ہم آہنگی کی ایک نامحسوس فضا قائم ہو گئی تھی۔

دوسری ملاقات ملیحہ کے گھر ہوئی تھی۔ برہان ملیحہ کا پرانا دوست تھا اور مرینہ ملیحہ کی کولیگ تھی۔ اس ملاقات میں برہان نے اسے اپنی زندگی کے مختلف تجربات' حادثات' کامیابیوں اور ناکامیوں کے قصے سنائے تھے۔ وہ کھرا بندہ تھا اور زبان و بیان پر عبور رکھتا تھا۔ مرینہ اس کی شخصیت سے متاثر ہونے لگی تھی۔

اس کے بعد وہ کئی جگہ ملے اور ذہنی ہم آہنگی بڑھنے لگی۔ یہ ان کی ساتویں ملاقات تھی جس میں برہان نے اسے آواری میں ڈنر پر انوائٹ کیا تھا۔ اس ملاقات میں پہلی مرتبہ مرینہ نے اسے اپنی کہانی سنائی تھی۔ گو اس کے بہت سے حصے وہ دانستہ حذف کر گئی تھی۔

"ہوں۔" برہان نے دلچسپی سے اس کی کہانی سننے کے بعد کہا۔ "تو گویا جو میں نے تمہارے بارے میں اندازہ لگایا تھا' وہ درست تھا۔"

"کیسا اندازہ؟" وہ حیران ہوئی۔

"تم بہت کامیاب کیریئر وومین ہو مگر پچاسی فیصد کامیاب کیریئر وومین کی طرح تمہارے ساتھ بھی ایک ازلی ناکامی جڑی ہوئی ہے مگر تم اتنی معصوم اور بھولی ہو کہ تمہیں اس ناکامی کے بارے میں پتا ہی نہیں۔"

"وہ کیا؟" مرینہ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"یہ ہی تو ٹریجڈی ہے۔" برہان نے جیسے اس کی بے خبری کا مزا لیا۔ "مرینہ بی بی! عورت ہونے کا مزا لینا آج کی عورت کی قسمت میں ہی نہیں ہے شاید۔"

"عورت ہونے کا مزا۔" مرینہ ایک لمحے کے لیے اس کی اس بات کو بھی سمجھ نہ پائی۔

"اسی بے خبری کو تو ٹریجڈی کہہ رہا ہوں۔" برہان نے یقیناً اس بات سے حظ اٹھایا تھا کہ وہ اتنی ذہین ہونے کے باوجود کتنی اہم مگر چھوٹی سی بات کو سمجھ نہ پا رہی تھی۔

"عورت ہونے کا الگ مزا ہے کیا؟" مرینہ کو لگا' وہ بلاوجہ بات کو طول دے رہا تھا۔

"بے شک' عورت ہونے میں بڑا مزا ہے۔ آرام ہے' عیش ہے' تحفظ ہے اور بلاوجہ کی پریشانیوں سے بچاؤ ہے۔" برہان نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"ڈونٹ ٹیل می۔" مرینہ نے ناک سکوڑی۔ "عورت ہی تو وہ مخلوق ہے جس کا استحصال صدیوں سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ کہاں کا مزا اور کیسا عیش' کون سا تحفظ اور کیا بے فکری۔ عورت ہی تو وہ بھاڑے کا ٹٹو بنی رہی' اتنی صدیاں جس کی پشت پر ساری بے آرامی' ساری فکریں' سب کی سب ذمہ داریاں اور فکریں لاد کر من چاہی سمت ہانکا جاتا رہا۔ عورت ہونے میں کیا مزا ہے۔ افسوس تم عورت بن نہیں سکتے' اس لیے یہ مزا جان نہیں سکتے۔"

"اس۔ تح۔ صال" برہان نے تمسخرانہ انداز میں لفظ کے ٹکڑے کیے۔ "کیسا استحصال؟"

"بنیادی انسانی حقوق کا استحصال۔" مارے جذبات کے مرینہ اپنی بات مکمل نہ کر سکی۔

"حقوق کی تفصیل تو بتاؤ ڈارلنگ۔" برہان کی ٹون اسے عجیب لگی۔

"بنیادی انسانی حقوق۔" مرینہ نے اپنی بات دہرائی تھی۔ "عزت' احترام' رزق' محبت' معاشی' معاشرتی' سماجی آزادی۔"

"اگرچہ تم روسو کے نظریات دہرا رہی ہو۔" برہان نے اس کی بات کاٹی۔ "مگر چلو یونہی سہی عزت' احترام' رزق' محبت کی بات ہی کر لیتے ہیں۔ اگر یہ عورت کے بنیادی حقوق ہیں تو ان کے بدلے عورت کے فرائض کیا ہیں۔"

"گھر کے اندر کی دنیا آباد کرنا۔" بے اختیار مرینہ کے منہ سے الفاظ پھسلے۔ "مگر جب بنیادی حقوق ہی سلب کر لیے جائیں تو پھر فرائض کا کیا ذکر؟ عورت کے حقوق کا استحصال ہی اسے گھر کے اندر کی دنیا سے باہر لے آتا ہے۔" اس نے اپنی بات کو سنبھالا دینے کی کوشش کی۔

"تمہارے کون سے بنیادی حقوق سلب ہوئے تھے سویٹ ہارٹ! جن کی وجہ سے تمہیں گھر کے اندر کی دنیا سے باہر آنا پڑا۔" برہان نے یقیناً چوٹ کی تھی۔ "عزت' احترام' محبت اور رزق کسی چیز کی کمی تھی تمہیں؟"

"معاشی' معاشرتی' سماجی آزادی کا حق۔" مرینہ نے پہلی بار مضبوط لہجے میں کچھ الفاظ کہے۔

"وہ مجھے ہاتھ باندھا غلام بنانا چاہتے تھے۔ موم کی گڑیا کی طرح مجھے موڑ کرتے رہے۔ کبھی کسی شیپ میں' کبھی کسی شیپ میں۔ خود ہی کہتے رہے' خوب پڑھو۔ میں نے پڑھنا شروع کر دیا تو کہنے لگے' گھر بی بننے کا فن بھی سیکھو۔ میں نے ساتھ ساتھ وہ بھی سیکھ لیا پھر جب پڑھے ہوئے کو استعمال کرنے کا وقت آیا تو بولے' تمہیں پروفیشنل تعلیم تو کسی بھی ایمرجنسی سے بچنے کے لیے دلوائی تھی۔ اصل کام اور اصل مقام تو گھر میں ہے۔ کچن میں کھڑے ہو کر

دھڑا دھڑ جلتے چولہوں کے آگے کھڑے ہو کر ہانڈیاں بھوننے میں ہے۔ ہونہہ!" اس نے غصے سے کہا۔ "نہ میرا کوئی من، نہ میری کوئی مرضی، نہ میری کوئی خواہش۔ کیا یہ بنیادی انسانی حقوق کے عین خلاف نہیں؟"

"بنیادی انسانی فرائض کے بارے میں کیا رائے ہے تمہاری؟" برہان اس موضوع سے چپک کر رہ گیا تھا۔ "تم اپنے چھوٹے چھوٹے بچے اس خیال سے پیچھے چھوڑ آئی ہو کہ تمہاری خالہ تم سے بہتر ان کی تربیت کر سکتی ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ تم سے اس سلسلے میں یہ نہیں پوچھا جانا چاہیے کہ تم نے سب سے اہم بنیادی انسانی فرض سے منہ کیوں موڑا؟"

مرینہ ایک لمحے کے لیے ششدر رہ گئی، برہان نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔

"اور اگر تمہاری خالہ اتنی ہی اچھی ٹرینر ہیں تو تم بھی تو ان ہی کی ٹریننگ میں رہی ہو۔ وہ تمہیں وہ کیوں نہ بنا سکیں جیسا وہ چاہتی تھیں؟"

مرینہ نے جواب سوچنا چاہا مگر فوری طور پر اس کے ذہن میں کوئی بات نہیں آئی۔

"دراصل تم اس خیال سے انہیں پیچھے نہیں چھوڑ کر آئیں کہ تمہاری خالہ ان کی بہتر تربیت کریں گی بلکہ اس لیے چھوڑ آئی ہو کہ وہ تمہاری آزادی اور من مرضی کی راہ میں حائل ہو سکتے تھے۔ ان کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری تمہارے کیریر کے لیے ایک مسئلہ بن جائے گی۔ تمہیں جو پُرکشش راستہ اس اعلا سوسائٹی نے دکھایا ہے، اس پر چلنا تمہارے لیے محال ہو جائے گا۔ ہماری اعلا سول سوسائٹی کی سب سے بڑی قباحت ہی یہ ہے کہ ان کے چارٹر کا سب سے پہلا نکتہ اخلاقیات اور روایات کو گلے سے اتارنا ہے۔ وہ اپنے ممبرز کو بنیادی انسانی حقوق کا نعرہ لگاتے ہوئے یہ باور کراتے ہیں کہ ان کے ان حقوق کا استحصال ہو رہا ہے۔ لہٰذا وہ اخلاقیات، روایات، مصلحت، مروت اور اپنی گھٹی میں پڑے ہوئے مذہب کا طوق گلے سے اتار پھینکیں۔ مرینہ آئی ایم سوری ٹو بی سو بارش اینڈ ریڈ۔

(مجھے افسوس ہے کہ تم سے سخت الفاظ میں بات کر رہا ہوں۔) مگر حقیقت یہ ہی ہے جو میں نے ابھی بیان کی ہے۔ میں نے اس بات پر بہت غور کیا ہے مرینہ! ہماری اس اعلا سوسائٹی کی ہر کامیاب کیریئر وومن کے ساتھ ایک عدد ذاتی ناکامی یا شکست ضرور جڑی ہوتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ گھر اور کام کے تقاضوں کا عدم توازن ہے۔ عورت بنیادی طور پر کیریر بنانے کے لیے بنی ہی نہیں، اسی لیے وہ کبھی ضرورت، کبھی شوق اور کبھی صرف خود کو ثابت کرنے کے لیے اس میدان عمل میں کود پڑتی ہے تو اس کی زندگی کا میزان ڈس بیلنس یعنی عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ توازن ایک بار اگر بگڑ جائے تو پھر اس کو واپس اس کی جگہ پر لے جانا محال ہوتا ہے۔ تم اگر کبھی عورت کے خمیر کے اجزائے ترکیبی پر غور کرو تو تمہیں یہ بات خود ہی سمجھ میں آجائے گی۔ عورت قربانی، ایثار اور مضبوط اعصاب کی سب سے بڑی مثال ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ

She is not ment for outdoor jobs

جب ہم قدرت کے زریں اصولوں سے انحراف کرتے ہیں نا تو ہمیں کوئی نہ کوئی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے، مگر تم تو اتنی بے خبر ہو کہ تمہیں اپنے نقصان، اپنی ناکامی کا ادراک ہی نہیں۔"

"تم بھی چنداں مختلف نہیں ہو ان مردوں سے جو اس معاشرے میں ازل سے عورت کے حقوق کی تشریح اپنی من مرضی کے الفاظ میں کرتے آئے ہیں اور اس کے فرائض کا چارٹر جگہ جگہ چسپاں کرتے پھرتے ہیں۔"

مرینہ کے پاس برہان کی بات کا اس کے سوا اور کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

"کیا فائدہ تمہارے اتنا پڑھے لکھے ہونے کا اور ایک عمر امریکا میں گزار دینے کا جو تم نے بھی اپنے ہاتھ میں وہ ہی مس شاؤنسٹ کا ایجنڈا اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیا۔"

"میں تجربات کی جلتی بھٹی سے گزرا ہوں سویٹ

ہارٹ!" برہان نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "میں نے امریکا میں رہتے ہوئے تین شادیاں کیں۔ ایک امریکن سے' دوسری ایک پاکستانی لڑکی سے اور تیسری ایک لبنانی لڑکی سے۔ تینوں کیریئر ویمن تھیں۔ ذہین' میدان مار لینے کی شوقین' اعلا سہولتوں سے فیض یاب معاشرے کی ارکان۔"

وہ جیسے کچھ یاد کرتے ہوئے بول رہا تھا۔

"تینوں کا کلچر' زبان' رہن سہن مختلف تھا مگر تینوں کی سوچ ایک سی تھی۔ پابندی' کسی بات سے منع کیے جانے اور بہتر طریقے سے گھر چلانے کی بات کسی طور برداشت نہ کرنے والی خواتین۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک کے بعد ایک میری تینوں شادیاں ناکام ہوئیں۔ تینوں سے میرے دو دو بچے تھے۔ تینوں نے ہی بچے میرے پلے ڈال دیے۔ نہ ڈالتیں تو بھی میں وہاں کے قانون کے مطابق بچوں کی ذمہ داریاں اٹھانے کا پابند تھا۔ ان تینوں تجربات اور بہت سی دوستیوں نے مجھے سوچنے پر مجبور کردیا کہ تعلقات میں خرابی کہاں پیدا ہوتی رہی۔ میں نے اپنا محاسبہ بھی کیا اور ان کا تجزیہ بھی۔ یقین جانو کہ مجھے دیانت داری سے دیکھنے کے بعد اپنا قصور بہت کم نظر آیا کیونکہ میں تو اپنی ذمہ داریاں پوری کررہا تھا۔ میری نیت بھی خراب نہیں تھی۔ میرے تجزیے نے مجھے یہ بتایا کہ سارا مسئلہ ہی عورت کے اپنے عورت ہونے کا فائدہ نہ اٹھانے سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ عورت ہوتے ہوئے بھی مردوں کی طرح جینا چاہتی ہے اور مرد کی طرح جینے کے لیے گھر سے باہر زیادہ وقت گزارنے کو ترجیح دینے لگتی ہے۔ وہ یہ بھول جاتی ہے کہ مرد کی طرح جینے کی خواہش میں اس کی ذمہ داریاں دہری ہوجائیں گی۔ اسے دو جگہ ڈیوٹی دینا پڑے گی۔ اس کی یہ بھول زندگیوں میں عدم توازن لے آتی ہے۔ نہ وہ گھر کی رہتی ہے' نہ گھاٹ کی۔ اپنی جان کو بھی جوکھوں میں ڈال دیتی ہے اور اپنے سے متعلقہ لوگوں کی بھی۔ اس تجزیے کے بعد مجھے اپنا خدا بہت یاد آیا۔ اس کی خدائی اور اس کے بتائے راہ نما اصول بھی سمجھ میں آنے لگے۔

میں پاکستان واپس آیا اور اپنے چچا کی بی اے پاس عام سی لڑکی سے شادی کرلی۔ میں ایک تجربہ یہ بھی کرنا چاہتا تھا تاکہ میرے ذہن کی گتھیاں پوری طرح سلجھ جائیں۔ یہ عورت کیریر بنانے کے لالچ میں نہیں پڑی۔ شادی سے پہلے وہ ایک اسکول ٹیچر تھی مگر شادی کے بعد اس نے جاب چھوڑ دی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اب اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے ایک گھر بنانے اور سنوارنے کا عزم کیا اور حیرت انگیز طور پر میں ایک پرسکون اور من چاہی زندگی گزار رہا ہوں۔ میرے گھر کے نظام میں توازن ہے' میرے دو صحت مند اور زندگی سے بھرپور بچے ہیں۔ میرے پہلے بچوں سے ذہنی اور جسمانی لحاظ سے کہیں بڑھ کر توانا' مضبوط اور صحت مند۔ مرینہ بی بی! میں نے اپنی زندگی کے تجربات سے خدائی احکامات کے سچے اور کامل ہونے کی حقیقت جانی ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عورت جس کے وجود سے کائنات میں رنگ ہے' اسی کے وجود سے کائنات کا سارا توازن اور عدم توازن والا کھیل چلتا ہے۔ اس معاشرے میں ضرورت نہ ہونے کے باوجود کیریر بنانے والی خواتین کی اکثریت کی ذاتی زندگیوں کی ناکامی کی بڑی وجہ اسی عدم توازن کا ہونا ہے۔"

"جبکہ اسی معاشرے کے اسی فیصد مرد شادی کرنے سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ لڑکی پڑھی لکھی اور برسرروزگار ہے کہ نہیں؟" مرینہ نے تلخی سے کہا۔

"یہ مردوں کی بھی حماقت ہے۔ ایسا کرنے والے مرد بھی زندگی میں نقصان سہتے ہیں۔ گھر اور خاندانی گھریلو کا مزا کبھی بھی چکھ نہیں پاتے۔" برہان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سچ تو یہ ہے کہ اللہ نے بڑے واضح الفاظ میں مرد و زن کے اس دنیا میں فرائض متعین کردیے ہیں۔ ناگزیر حالات کی اور بات ہے' ورنہ ان دونوں مخلوقات کو اپنے اپنے فرائض اور حقوق کی پاس داری کرنا ازحد ضروری ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی روگردانیوں سے ہی تو بڑے بڑے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور معاشرے مسائل کی عفریت کا اجتماعی شکار بن کر رہ جاتے ہیں۔ تم جانتی ہو کہ تمہارے اور سلمان یا

تمہاری خالہ کے نظریات اور سوچ کے اس قدر الٹ سے سب سے زیادہ ایک تیسرا فریق متاثر ہو رہا ہے۔"

"تیسرا فریق؟" مریم نے چونک کر کہا۔

"اور بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ تم اس تیسرے فریق سے واقف ہی نہیں ہو۔ وہ تیسرا فریق تمہارے بچے ہیں۔ جنہیں یقیناً تمہاری خالہ یا شاید تمہارا میاں بھی یہ بتاتے ہوں گے کہ ان کی ماں اپنی عیاشی کے لیے انہیں چھوڑ گئی۔ حالانکہ ماں کی اس خواہش میں ان کا قصور نہیں تھا' وہ ماں کی محبت سے بھی محروم ہوئے اور اس کے حوالے سے محرومیوں کا شکار بھی ہوئے۔ ان کی شخصیت ادھوری رہ جائے گی اور ان کا باپ گھر میں دوسری عورت لے آیا تو عورت کا تجربہ جانے کب ہو [illegible] سب سوچے بغیر ان کی ماں جس طرح خواہشات کے حصول کے لیے فرار حاصل کر گئی "ایسی ماں سے بن ماں کا ہونا ہی بہتر ہے۔"

یہ وہ نکتہ تھا جس سے مریم فرار حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا تعلق براہ راست اس کے بچوں سے تھا۔ وہ یہ بیان کرنا چاہتی تھی کہ اس نے اس نکتے پر سوچا تھا' بہت سوچا تھا۔ بچوں سے جدا ہو جانے کے بعد ہی اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ کون سی نعمت ہاتھ سے گنوا بیٹھی تھی مگر خلع کے بعد وہ ان سے رابطہ کرنے کی ہمت نہ کر پائی تھی۔

"اور اگر وہ تینوں یعنی تمہارا شوہر اور تمہارے دونوں بیٹے تمہارے بغیر بھی خوش ہیں تو اس سے بہتر کر [illegible] تم کیا دے سکو گی مریم؟" بہان کی بھاری ہوتی آواز اس کے کان میں پڑی۔

☆ ☆ ☆

"جنتو لوا چکی تھی۔" ایک دن اور ایک رات ایڑی چوٹی پر جھولنے اور بہت سے تجربے کرنے کے بعد اس نے سوچا تھا۔ "کیسی قسمت والی عورت تھی۔" یہ اس کا تازہ ترین فیصلہ تھا۔ "باسی روٹی پر بھی وہ کبھی آم کے اچار کی پھانک' کبھی چار جھنڈیاں رکھ کر یوں کھاتی ہوئی جیسے اس روٹی میں وہ سلوٹی لذت ہو۔ کھا کر یوں خوش اور مطمئن ہوتی کہ شکر بجا لاتی ہوئی جیسے کسی انگریزی کھانے سے فارغ ہوئی ہو۔

اپنے سخت کھردرے ہاتھوں سے سرکنڈوں کی تیلیاں کھینچتی اور رنگ برنگ کاغذوں کو عجیب شکلیں دیتی ہوئی عظیم آرٹسٹ مٹی کے کچے کھلونے گھڑ کر خواہشات کی بھٹی پر تپا کر انہیں پکا کرتی ہوئی ایک عظیم فن کی امین۔

وہ عورت جس کی قسمت میں اتنی محنت کے باوجود پیٹ کی بھوک ٹالنے کا لقمہ اور چار چوٹ کی مار تھی مگر جو پھر بھی اپنے اللہ کی اس طرح شکر گزار ہوتی تھی جیسے اے کلاس سہولیات سے مزین زندگی گزار رہی ہو۔ وہ عورت جس نے خدا اور اسلام نہیں پڑھ رکھا تھا اسے یہ بھی نہیں پتا تھی مگر اس کی سطر سطر پر انگلی رکھ کر بچپن میں [illegible] سے "یہ بھی حق ہے" کی گردان کرنا بھولی نہیں تھی وہ اپنے خدا کی حقانیت اور سچائی کی ہی جان [illegible]

جنتو [illegible] تھی [illegible] سوچی ہوئی [illegible] بخشش [illegible] پہلے رنگوں [illegible] کپڑے [illegible] عورت جس نے عورت [illegible] چادر نہیں پڑھ رکھا تھا مگر جسے ایک [illegible] زیادہ تھا کہ رب راضی رکھنے کے لیے اپنے ہر حال میں صبر بھی کرنا ہے اور شکر بھی کرنا ہے۔ جو لوگوں سے [illegible] بھولتی نہیں تھی جسے عورت اور مرد [illegible] پہچان تھی جو اپنے عمل کی جواب دہ تھی کہ اسے اپنے [illegible] والوں کے اعمال سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ خدا نے تو صرف اس سے پوچھنا تھا کہ "تو نے کیا کیا؟"

"جو تو نے کیا پایا؟" جیسے سوال کے تصور سے ہی کانپ کانپ جاتی تھی اور یہی تصور اس سے بانس کی تیلیوں کے چھاج' ٹوکرے اور کھلونے بنوائے جاتا تھا۔ مٹی گوندھ کر گھگھو گھوڑے بنوا کر آگ میں پکوائے جاتا تھا۔ گلی گلی گھوم کر اپنی اشیاء بیچنے والی پروفیشنل ویمن جس کے سر پر ہر طرح کی ذمہ داریاں تھیں جو

نظریۂ ضرورت کے تحت گھر سے نکلتی تھی مگر اسے خود کو گھر سے نکلنے پر مجبور کرنے والے سے کوئی گلہ نہیں تھا' جب ہی وہ اسے پکار بھی دیتی تھی اور اس کے بچے بھی پیدا کرتی تھی۔ اسے اپنے اور اس کے مقام کے فرق کا ادراک تھا اور اسے یہ بھی ادراک تھا کہ اس کے رب نے اس کے خاوند کے اعمال کے بارے میں اس سے نہیں پوچھنا ہے۔ اس کے اپنے اعمال کے بارے میں پوچھنا ہے۔

"بنتو' ماں' بنتو۔" مرینہ نے آنسوؤں سے بھیگی نظریں اپنے اردگرد دوڑائیں۔ اس کے اردگرد بھی رنگ تھے۔ سرخ' نیلے' پیلے' ہرے' نارنجی مگر ان رنگوں میں بسنے والی عورت "بنتو اوڈھنی" کے مرتبے کو کبھی چھو نہ سکتی تھی کیونکہ اسے بنتو کے فلسفہ حیات کی سمجھ ہی بہت دیر سے آئی تھی۔ اسے صبر کا مرتبہ اور شکر کا مقام اب سمجھ میں آیا تھا۔ وہ اپنے تئیں اپنے حقوق سے لطف اندوز ہونے کے لیے قریبی رشتوں کو چھوڑ آئی تھی۔ اس شخص کو میل شاونسٹ اور ماچومین کا خطاب دیتی رہی تھی جس کی مرہون منت اس کی ساری زندگی' اس کا ٹیلنٹ اور ذہانت تھی۔ وہ خود کو منوانا اور سلمان کو ایک دائم پچھتاوے میں مبتلا کردینا چاہتی تھی مگر اس روز "جامن جاوا" سے باہر نکلتے ہنستے مسکراتے چہروں پر کوئی پریشانی' کوئی محرومی نہیں تھی۔ وہ ٹرائیکا خوش باش تھا جبکہ وہ ایک بہت بڑی خلش میں مبتلا ہو چکی تھی۔ برہان کی باتیں اس کے دل کو لگی تھیں اور اس روز اچانک "بنتو اوڈھنی" کی یاد نے اس کی خواہشات کی دنیا میں آگ لگا ڈالی تھی۔

"فیشن دیوا" اس نے اپنے پورٹریٹ پر ایک نگاہ غلط ڈالی۔ "تم جانتی ہو کہ تمہارے سجے سجائے خوش باش چہرے پر تمہاری ذاتی زندگی کی ناکامی کا تاثر کتنا واضح نظر آتا ہے۔ تم دس ہزار فوٹ مزید کھڑی ہو کر بڑی بڑی باتیں کرو' سوشل اکنامکس' ٹریڈ سیکٹر' افراط زر' بیلنس آف منی' اقتصادی ترقی اور نجانے کیا کیا۔ تمہاری ذاتی ناکامی کی شکست تمہاری ہر بات میں اندر خون کی طرح بہتی ہے کیونکہ تم نے سب کچھ پڑھ لیا' بڑی بڑی کتابیں' اونچے اونچے مقالے' بے شمار پیپرز مگر تم نے صبر کا اور شکر کا مقام کبھی نہ جانا' خدا کے کلام کو طاق میں رکھ دیا اور بھول کر بھی کبھی تذکرہ نہ کیا کہ وہ حق ہے اور وہ سچ ہے۔

بنیادی انسانی حقوق کے نعرے بلند کرنے والی کامیاب کیریئر وومین' بنیادی انسانی اخلاقیات کے سبق والی فائل تم نے سیل کر کے ریکارڈ روم میں رکھوادی تاکہ تمہاری نسلوں تک کو پتا نہ چل سکے کہ وہ کون سے اسباق تھے جن کے ورد نے ان کے اسلاف کو عزت بخشی۔ تم جتنے چاہے سرٹیفکیٹس آف ایکسی لنس حاصل کرلو۔ ایوارڈ جیت لو' میڈلز اٹھالو اور میڈلز پہن لو۔ تم تاحیات رہو گی ایک ناکام عورت ہی کیونکہ تمہارے نہ ہونے سے زندگی کی اس تصویر میں کوئی خلا پیدا نہیں ہوا ہے۔"

اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اس تصویر کو دیکھا جس میں کل اسے خلا سا نظر آیا تھا۔ وہ ٹرائیکا مکمل تھا' اسے مکمل ہی رہنا تھا کیونکہ اس کی بنیاد اس عورت نے رکھی جو دنیاوی تقاضوں سے واقف تھی اور خدائی احکام سے بھی۔

اسے اپنی خالہ کا چہرہ یاد آیا جو اسے بھی ایک پڑھی لکھی' کامیاب مگر گھردار عورت بنانا چاہتی تھیں جو اس کے ذریعے اپنی نسلوں کی تربیت کا فرض سونپنا چاہتی تھیں جو۔

Give me a good mother
you a successful
i will give
generation.

(مجھے ایک اچھی ماں دو' میں تمہیں ایک کامیاب نسل دوں گا) کے مقولے کو ماننے والوں میں سے تھیں۔

"کتنے رنگ ہیں عورت تیرے۔" اس نے سوچا۔ "بنتو اوڈھنی' خالہ اور مرینہ سلیمان۔" کون سا رنگ ہے جو کامیاب ہے اور مقبول بھی۔ محترم بھی اور

ایوارڈ ونگ بھی۔"

اسے بنتو کا وجود بلاک نمبر 1 پر کھڑا نظر آیا۔ اسے یہ مقام صبر اور شکر کے فلسفے اور اپنے عمل کی جواب دہی کا ادراک رکھنے پر ہی ملا تھا اور دوسرے نمبر پر یقیناً خالہ تھیں مگر تیسرے نمبر پر اسے اپنا وجود نظر نہیں آیا۔ وہ اپنے عورت ہونے کو فنا کر کے مردوں کے شانہ بشانہ چلنے والوں میں سے تھی۔ عورت کی دنیا میں اسے کوئی مقام کیسے مل سکتا تھا۔" اسے یاد آیا اور اس کے ہاتھ لرزنے لگے۔

Wounded knees and broken toys were better than wouded emotions and broken hearts

(زخمی گھٹنے ٹوٹے دلوں اور زخمی جذبات سے بہتر تھے)

اس کے دل نے چلا کر کہا۔ "وہ کتنے دلوں کو توڑنے اور کیسے جذبات کو زخمی کرنے کی مرتکب ہوئی تھی۔ اسے یاد آرہا تھا مگر وہ یاد کرنا نہیں چاہتی تھی۔ یک لخت اس نے اپنے دماغ میں آویزاں عورت کے حقوق کی تشریح کرنے والے چارٹر کو نوچ کر اتار پھینکا۔ اب اسے طاق میں رکھے کلامِ پاک کو نکالنا تھا اور یقین کامل کرنا تھا کہ اس میں لکھا سب حق اور سچ ہے اور پھر اسے واپسی کا راستہ ڈھونڈنا تھا۔ اس نے اپنے سرکنڈوں کی تیلیوں سے بنے کھلونے اور گھگھو گھوڑے سمیٹ کر ٹوکرے میں ڈال دیئے تھے کیونکہ اسے اپنا علم و ہنر بیچ کر روپیہ کمانے کی حاجت نہیں تھی۔

اسے اپنا یہ فن اپنی اگلی نسلوں کو منتقل کرنا تھا۔ انسانی حقوق کا پرچار کرنے والی اور خواتین کے استحصال کی کہانیاں سنانے والی اس کی آئیڈیل شخصیت کی جگہ یک لخت اس تصویر کے چوکھٹے میں بنتو اوڈھنی کا چہرہ فٹ ہو گیا تھا کیونکہ دیر سے ہی سہی مرینہ کو اس کا فلسفہ حیات سمجھ میں آگیا تھا۔

دادو تحسین کے ڈونگرے سمیٹنے والی، ایوارڈز اور میڈلز جیتنے والی، بڑے بڑے فورمز پر ریویوز پڑھنے والی کتنی کیریئر ویمن بنتو کے فلسفہ حیات کو سمجھ کر اپنا مقام جاننے کا شرف حاصل کر سکتی تھیں۔ یہ شاید اسے کبھی پتا نہیں چل پاتا تھا مگر خود اس کو شاید کبھی کسی کی دی ہوئی دعا لگ گئی تھی یا اسے وہ خلا نظر نہیں آیا جو اس کے چلے آنے کے نتیجے میں سلمان اور بچوں کی زندگی میں آنے والا تھا۔

وہ سلمان کو گھٹنوں کے بل جھکانے کی خواہش میں مبتلا تھی اور خالہ کو پچھتاوے میں مبتلا کرنے کی مگر اسے اچانک ادراک ہوا تھا کہ وہ لاشعوری طور پر جس دستک کی منتظر تھی، وہ اس دروازے پر کبھی نہیں ہوگی بلکہ اس کا وجود اس کے بچوں کے لیے شرمندگی اور خجالت کا باعث بننے والا تھا۔ ایک کے بعد ایک انکشاف اس کے فہم پر ہونے لگا تھا اور اس کے اندر کی کیریئر ویمن کی عقل مات کھا گئی تھی۔ اسے بنتو اوڈھنی کا پروفائل اپنے سے کہیں بہتر نظر آنے لگا تھا۔

برہان احمد نے اس کے دماغ پر جو دستک دی تھی، اس نے اس پر معنی کے کئی در وا کر دیے تھے اور اس ایک بڑی اکانومسٹ نے بیلنس آف رسپانس بلٹیز (ذمہ داریوں کا توازن) کے زریں اصول سمجھ لینے کے بعد کیریئر کو خدا حافظ کہنے کی ٹھان لی تھی۔

یہ مکمل شکست تھی، بقا تھی، قربانی تھی یا دائمی خوشی اور دل کے سکون کے حصول کی طرف ایک پیش قدمی۔ اس نے اپنی احسان فراموشی کے عمل کا کفارہ ادا کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

✸

عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ

ایئر ہوسٹس

اب دو حصوں میں شائع ہو گئی ہے۔

مکتبہ عمران ڈائجسٹ ۳۷ اردو بازار کراچی